ماهنامہ

حکمتِ قرآن

لاہور

مدیر مسئول:

ڈاکٹر اسرار احمد

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۳۶۔کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۱۴

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا

ماہنامہ حکمت قرآن لاہور

جاری کردہ: ڈاکٹر محمد رفیع الدین، ایم اے پی ایچ ڈی۔ ڈی لٹ (مرحوم)

ذیقعدہ و ذی الحجہ ۱۴۰۳ھ
مطابق
ستمبر ۱۹۸۳ء

جلد دوم، شمارہ ۷

مدیر اعزازی

ڈاکٹر ابصار احمد

ایم اے۔ ایم فل۔ پی ایچ ڈی،

معاون مدیر

حافظ عاکف سعید

(ایم اے فلسفہ)

فہرس

حرفِ اوّل ——— ۲
ڈاکٹر ابصار احمد

آلٓمٓ (سورۃ حم السجدہ) ۳
ڈاکٹر اسرار احمد

قرآنی علم و فہم کا درجہ حکمت ۱۰
(تیسری قسط)
مولانا محمد تقی امینی

قرآن کی زبان ——— ۱۶
ڈاکٹر عبد الخالق
صدر شعبہ فلسفہ پنجاب یونیورسٹی

مروجہ نظام زمینداری اور اسلام ۲۱
(قسط ۵)
مولانا محمد طاسین

نقد و نظر ——— ۴۵

از مطبوعات: مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور-۳۶ کے ماڈل ٹاؤن، لاہور

طابع: ایس اے سلیم مطبع: آفتاب عالم پریس، لاہور

زرِ سالانہ: ۲۰/- روپے، اس شمارے کی قیمت ۲/- روپے

ابصار احمد

حرفِ اوّل

اسلامی تقویم کے لحاظ سے ذی الحجہ ۱۴۰۳ھ اور عیسوی تقویم کے لحاظ سے ستمبر ۸۳ء کا شمارہ پیش خدمت ہے۔ ان تقویموں میں سال بھر میں تقریباً دس دن کا فرق پڑ جاتا ہے۔ لہٰذا اس خلا کو اس طرح پورا کیا گیا ہے کہ اسلامی تقویم کے لحاظ سے ذی قعدہ اور ذی الحجہ کا شمارہ ایک قرار دیا گیا ہے۔

زیرِ نظر شمارہ میں ڈاکٹر عبدالخالق صاحب صدر شعبہ فلسفہ پنجاب یونیورسٹی کا ایک وقیع علمی مقالہ بعنوان "قرآن کی زبان" قارئین کی نظر سے گزرے گا۔ یہ مقالہ موصوف نے محاضراتِ قرآنی کے گذشتہ اجلاس میں پیش فرمایا تھا۔ مولانا محمد تقی امینی صاحب کے حد درجہ محققانہ مضمون "قرآنی علم و فہم کا درجہ حکمت" کی تیسری قسط بھی اس شمارہ میں حاضر ہے۔ مولانا محمد طاسین صاحب کے سلسلہ وار مضمون "مروجہ نظام زمینداری اور اسلام" کی پانچویں قسط اس شمارہ میں پیش کی جا رہی ہے۔ ادارہ اس سلسلے میں معذرت خواہ ہے کہ گذشتہ شمارہ میں اس مضمون کی چوتھی قسط کو پانچویں لکھ دیا گیا تھا۔ اگست کے شمارہ میں جو قسط شائع ہوئی وہ دراصل چوتھی قسط تھی۔ اور پانچویں قسط وہ ہے جو اس شمارہ میں شامل ہے۔

ادارہ حکمت قرآن نے یہ مضمون جنوری ۸۳ء سے شائع کرنا شروع کیا تھا۔ اور اس وقت حرفِ اوّل کے ضمن میں یہ بات واضح کر دی تھی کہ ہم اصحابِ علم سے گذارش کرتے ہیں کہ وہ کھلے قلب و ذہن کے ساتھ اس مضمون کی اقساط کا مطالعہ فرمائیں اور اگر کہیں استدلال کی کڑیوں میں کوئی خلا یا کجی محسوس کریں تو خالصۃً احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے جذبے سے قلم اٹھائیں۔ حکمت قرآن کے صفحات ان کے لئے حاضر رہیں گے۔

ادارہ کو اس سلسلے میں محمد اکرم خاں ڈائریکٹر کمرشل آڈٹ لاہور کی جانب سے اس مضمون پر کچھ اعتراضات موصول ہوئے ہیں جو کہ اس شمارہ میں پیش کئے جا رہے ہیں۔ "حکمت قرآن" کے توسط سے محمد اکرم خان صاحب کے خیالات مولانا طاسین صاحب تک پہنچ جائیں گے۔ اور ہمیں توقع ہے کہ مولانا اپنے مضمون کے اختتام پر انکی وضاحت فرمائیں گے۔

ادارہ دوسرے اہل علم سے بھی درخواست کرتا ہے کہ وہ اس سلسلے میں اپنی آراء سے مطلع فرمائیں گے۔

سلسلۂ تقاریر الٓـمّٓ

سورۃ حٰمٓ السجدہ

مقرر: ڈاکٹر اسرار احمد

السلام علیکم۔ نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ‏ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حٰمٓ ۚ تَنْزِیْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۚ کِتٰبٌ فُصِّلَتْ
اٰیٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لِّقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۙ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا ۚ
فَاَعْرَضَ اَکْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ ۚ

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولٰنا العظیم۔

سلسلہ حوامیم کی دوسری سورت سورہ حٰمٓ السَّجْدَہ ہے جس کا ایک دوسرا نام سورہ فصلت بھی ہے۔ ۵۴ آیات اور ۶ رکوعوں پر مشتمل یہ سورہ مبارکہ ۲۴ ویں پارے کے ربع آخر اور چوبیسویں پارے کی ابتدا پر مشتمل ہے۔ اس سورہ مبارکہ میں حٰمٓ یعنی حروف مقطعات کے فوراً بعد ارشاد فرمایا۔

تَنْزِیْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۚ

اس قرآن مجید کی تنزیل ہے اس ذات کی طرف سے جو رحمان بھی ہے اور رحیم بھی۔

کِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰیٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لِّقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۙ

"یہ وہ کتاب ہے کہ جس کی آیات بہت واضح ہیں۔ جن کی پوری تفصیل کی گئی ہے۔ جن میں ابہام کا شائبہ نہیں ہے اور پھر یہ آیات قرآن عربی کی صورت میں نازل ہوئی ہیں۔"

گویا کہ اس سے حجت قائم ہوجاتی ہے۔ اولین طور پر ان لوگوں پر کہ

جن کی اپنی زبان عربی ہے - کیونکہ وہی اس قرآن مجید کے اولین مخاطب تھے اور انہی سے اُمّت محمد علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا اصل مرکز و محور نیوکلیس، تیار ہوا - یہ مضمون اس سورۃ مبارکہ میں آیت نمبر ۴۴ میں پھر آیا کہ اگر ہم نے یہ قرآن کسی عجمی زبان میں اتار دیا ہوتا تو کہتے

لَوۡ لَا فُصِّلَتۡ اٰیٰتُہٗ ؕ ءَ اَعۡجَمِیٌّ وَّ عَرَبِیٌّ ؕ

اسکی آیات واضح کیوں نہیں - ؟ کیا ایک عجمی زبان کی کتاب اس قوم کے لئے ہے جسکی زبان عربی ہے - ؟

گویا کہ یہ اعتراض اس وقت بڑی شدت کے ساتھ کرتے لیکن اب جبکہ ہم نے اپنی اس نعمت عظمیٰ کو قرآنِ عربی کی صورت میں نازل کر دیا ہے تب بھی یہ بدبخت اس سے فائدہ نہیں اٹھا رہے -

وہیں آیت نمبر ۴۵ میں اشارہ کیا کہ یہ معاملہ وہی ہے - جو پہلے بھی ہوتا رہا ہے - ہم نے موسیٰ کو بھی کتاب دی تھی اختلاف کرنے والوں نے اس میں بھی اختلاف کی راہ نکال لی - مخالفت کے لئے کوئی نہ کوئی بنیاد تلاش کر لی، گویا "خوئے بد را بہانۂ بسیار" والا معاملہ ہے - قرآن سے انکار اور اعراض کے اسباب کچھ اور ہیں - لیکن یہ اس کے اوپر جو اعتراضات وارد کر رہے ہیں وہ بالکل سطحی ہیں اور بے وزن ہیں -

اس سے پہلے فرمایا جا چکا کہ جہاں تک اس کی تاثیر کا تعلق ہے تو اس کا لوہا تو انہوں نے بھی پوری طرح تسلیم کر لیا ہے - اس لئے کہ ان کی باہمی مشاورت سے طے ہوا ہے کہ

وَقَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَا تَسۡمَعُوۡا لِہٰذَا الۡقُرۡاٰنِ وَ الۡغَوۡا فِیۡہِ لَعَلَّکُمۡ تَغۡلِبُوۡنَ ۝

اور کفار نے کہا اس قرآن کو ہرگز نہ سننا - انہوں نے یہ بھی طے کر لیا تھا کہ اگر کبھی اتفاقاً محمد الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آمنا سامنا ہو جائے

تو اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لینا۔ مبادا اس پُر تاثیر کلام کے کوئی الفاظ تمہارے کانوں میں اتر جائیں۔ بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر

وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ۝

اس میں گھپلا کر دیا کرو۔ گڑبڑ کر دیا کرو۔ جب محمدؐ قرآن پڑھ رہے ہوں تو شور اور ہنگامہ کر دیا کرو۔ یہی ایک راستہ ہے تمہارے غالب آنے کا۔ اس کے سوا کوئی اور صورت کامیابی کی موجود نہیں۔ اس رویّے میں گویا کہ ان کا پورا اعتراف شکست موجود ہے کہ انہوں نے قرآن مجید کی تاثیر کا لوہا مان لیا اور اب ان کے سامنے ایک ہی راستہ رہ گیا کہ اس قرآن کی تبلیغ کے راستے میں رکاوٹیں ڈالو، روڑے اٹکاؤ۔ لوگ اس قرآن کو سننے نہ پائیں۔ اگر کہیں انہوں نے سن لیا تو یہ انکے دل میں اتر جائے گا اور پھر تمہاری ساری مخالفت اور تمہاری ساری ہٹ دھرمی جو ہے وہ دھری کی دھری رہ جائے گی۔

اس سورہ مبارکہ میں حاصل کلام کے طور پر جو آیات وارد ہوئی ہیں وہ ۳۰ سے ۳۶ تک ہیں جن میں ایمان کا لب و لباب، ایمان کا حاصل، ایمانی زندگی کا سب سے اہم عملی مظہر اور اس راہ کی مخالفت اور اس راہ کے شدائد کے مقابلے میں صبر کا جو طرزِ عمل ہونا چاہیئے اس کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ ایمان کا لب لباب ان الفاظِ مبارکہ میں بیان ہوا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا۔

یقیناً وہ لوگ جنہوں نے یہ کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر جم گئے۔ ان کا دل ٹھک گیا اس حقیقت پر کہ اللہ ہی ہمارا مالک ہے وہی ہمارا پروردگار ہے۔ وہی ہمارا رازق ہے وہی ہمارا مشکل کشا ہے۔ وہی ہمارا روزی رساں ہے۔ اس حقیقت پر جب اعتبار پیدا ہو جاتا ہے تو یہ گویا ایمان کا لب لباب اور اس کا خلاصہ ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں بھی الفاظ وارد ہوئے

ہیں - کہ ایک صحابی نے حضورؐ سے یہ عرض کیا کہ حضورؐ مجھے دین کی مختصر بات بتائیے - دین کی حقیقت کو ایک مختصر ترین جملے میں سموکر وہ مجھے عطا فرما دیجئے! حضورؐ نے فرمایا:

قُلْ آمَنْتُ بِاللّٰہِ ثُمَّ اسْتَقِمْ

"کہو کہ میں ایمان لایا اللہ پر اور پھر اس پر جم جاؤ -" یہ جان لینا چاہیئے کہ اس جم جانے میں اس استقامت میں قیامت مضمر ہے - اس میں انسان کا باطنی اعتبار سے قلبی اعتبار سے جم جانا بھی ہے اور اس کے عملی تقاضوں کو ادا کرنے کے لئے خم ٹھونک کر میدان میں آجانا بھی - اس کے بعد فرمایا کہ اس ایمان کا اصل حاصل یہ ہے -

تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا

ملائکہ کا نزول ان پر ہوتا ہے اس پیغام کے ساتھ کہ نہ ڈرو نہ خوف کھاؤ اور نہ رنجیدہ ہو بلکہ،

وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ○

"خوشخبری حاصل کرو، خوشیاں مناؤ، اس جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے" انسان کا اس حیاتِ دنیوی میں بھی اور حیاتِ اُخروی میں بھی رنج و غم سے اور خوف و اندیشے سے نجات پا جانا ہی ایمان کا اصل حاصل ہے - جس کو سورۃ انعام میں فرمایا گیا -

فَأَيُّ الْفَرِيقَيْنِ أَحَقُّ بِالْأَمْنِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ○
الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ
لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُونَ ○ (۸۱-۸۲)

امن کا حقدار کون ہے طمانیت قلبی کسے میسر آسکتی ہے! ذہنی اور قلبی سکون کسے حاصل ہو سکتا ہے! صرف ان کو جو اللہ پر ایمان لائیں اور اس میں کسی شرک کی آمیزش نہ ہونے دیں - اس ایمان پر ان کا دل

ٹھک جائے وہ ان کے رگ وپے میں سرایت کر جاتے اور صرف ایسے ہی لوگ ہدایت یافتہ ہوں گے۔

اس کے بعد اس سورۃ مبارکہ میں اس ایمان کا جو سب سے بڑا علمی مظہر ہے اس کو بیان کیا گیا۔ فرمایا:

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا

"اس شخص سے بہتر اور کس کی بات ہو سکتی ہے جو اللہ کی طرف بلانے والا ہو اور نیک عمل کرتا ہو" پھر اس نیک عمل میں جو سب سے اہم چیز جس کی طرف اشارہ مقصود ہے وہ خدمت خلق ہے اس لئے دعوت الی اللہ بھی خدمت خلق ہی کی بلند ترین منزل ہے۔ خدمتِ خلق کا ایک درجہ یہ ہے کہ بھوکے کو کھانا کھلایا جائے، پیاسے کو پانی پلایا جائے۔ جو کہیں کوئی راستہ تلاش کر رہا ہو بھٹک رہا ہو اسے منزل پر پہنچایا جائے۔ اسی خدمتِ خلق کا سب سے بلند تقاضا یہ ہوگا جو اس دنیا کی زندگی میں ہمہ تن بھٹک گئے جن کی زندگی کا رُخ غلط ہو گیا ہے جو اپنی اس نادانی میں جہنم کا نوالہ بننا چاہتے ہیں۔ ان کو راہِ راست کی طرف بلایا جاتے، انہیں اللہ کی بندگی کی دعوت دی جائے تاکہ وہ اُخروی عذاب سے بچ جائیں جو ابدی ہے، جو ہمیشہ کا ہے۔ یہ درحقیقت ایک صاحبِ ایمان شخص کے لئے اس کی صلاحیتوں اس کی قوتوں اس کی توانائیوں کا اوّلین اور بہترین مصرف ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آغازِ وحی کے بعد سے اس دنیا سے مراجعت تک آپؐ کی قوتوں اور توانائیوں اور اوقات کا ایک ایک لمحہ اور شمہ اسی راہ میں صرف ہوا۔ اللہ کی طرف دعوت، راہ حق کی طرف دعوت، صراطِ مستقیم کی طرف دعوت اور اس راہ میں جو تکالیف آئیں، جن شدائد و مصائب سے سابقہ پیش آیا، ان سب کو جھیلا اور برداشت کیا۔ اس جھیلنے اور صبر کرنے اور برداشت کرنے کے بھی دو مرتبے ہیں۔

ایک مرتبہ یہ ہے کہ آپ نے تکلیف جھیلی اور خاموش رہے آپ نے گالی کے جواب میں گالی نہ دی یہ بھی صبر ہے - لیکن اس صبر کی ایک بہت بلند منزل بھی ہے بلکہ اسے بلند ترین کہا جائے تو غلط نہیں - واقعہ یہ ہے کہ

عنقا را بلند است آشیانہ

کے مصداق ہے یہ منزل، کہ گالیاں کھا کر دعائیں دی جائیں - لوگ پتھروں کی بوچھاڑ کر رہے ہیں اور ادھر سے پھولوں کی بارش کی جائے - وہ ہے مقام جس کا ذکر کیا گیا - اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ

مدافعت کرو اس طور سے جو بہت ہی عمدہ ہو بہت ہی اعلیٰ ہو - بہت ہی احسن ہو - اس کا ایک نتیجہ نکلے گا کہ جو ہا تھ دشمنی میں جان لینے پر آمادہ ہیں - فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ

آج جو خون کے پیاسے ہیں جو انتہائی دشمنی اپنے دلوں میں لئے ہوئے ہیں وہی آپ کے جان نثار بن جائیں گے - وہی آپ کے ساتھی بن جائیں گے اور ساتھی بھی انتہائی گرمجوش - لیکن فرمایا:

وَمَا یُلَقّٰهَاۤ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا یُلَقّٰهَاۤ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ۝

یہ مقامات بلند یہ حظِ عظیم ہر ایک کو حاصل نہیں ہوتا - یہ ان ہی کو ملتا ہے کہ جو صبر کرنے والے ہوں اور بڑے نصیبے والے ہوں - گویا کہ ان چند آیات میں وہ بلند مقام جس کو ہم حظِ عظیم کے نام سے یاد کرتے ہیں، اس کا نقشہ کھینچ دیا گیا۔

اس سورۂ مبارکہ کے آخر میں ایک بڑی عظیم آیت قرآن حکیم کے بارے میں آئی ہے - سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْۤ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ط (آیت ۵۳)

عنقریب ہم انہیں اپنی آیات کا مشاہدہ کرائیں گے آفاق میں بھی اور انفس میں بھی - آفاق کی نشانیاں بھی دیکھیں گے اور خود اپنے نفوس کے باطن میں بھی - یہاں تک کہ یہ حقیقت مبرہن ہو جائے گی بالکل واضح

ہوجاتے گی، روشن ہوجائے گی کہ یہ قرآن ہی حق ہے - کُل کا کُل حق ہے، سرتاپا حق ہے -

چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ اس دور میں سائنس کی ساری ترقیوں کے باوجوُد کوئی ایک چیز بھی ایسی نہیں ہے کہ جسے ثابت شدہ سائنسی حقیقت قرار دیا گیا ہو اور وہ قرآن کے خلاف ہو - بلکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ چنانچہ ایک فرانسیسی مصنف 'MAURICE BUCAILE' نے ایک کتاب لکھی ہے "دی قرآن، بائبل اینڈ سائنس" اس میں تو اس نے ثابت کیا ہے کہ تمام انکشافات اور اس سائنسی ترقی کے دور میں جتنے بھی علوم کا ذخیرہ انسان نے اکٹھا کیا ہے، ان کے متعلق اس مصنف نے ثابت کیا ہے کہ ان حقائق کے بارے میں اشارے قرآن میں موجود تھے -

اس کے برعکس تورات کا معاملہ یہ ہے کہ وہاں بہت سی ایسی چیزیں ملتی ہیں جو ثابت شدہ سائنسی حقائق کے خلاف ہیں - اس کی وجہ یہ ہے کہ چھٹی صدی قبل مسیح میں بخت نصر کے حملے کے بعد جب اصلی تورات گم ہوئی تو پھر ڈیڑھ سو سال کے بعد جو تورات یاد داشتوں سے مرتب کی گئی اس میں مرتبین کے اپنے نظریات وخیالات کا عمل دخل ہوگیا - یہی وجہ ہے کہ اس میں وہ چیزیں شامل ہوگئیں جو بعد میں سائنسی حقائق کی روشنی میں غلط ثابت ہوئیں -

اسی کی ایک اور مثال رشاد خلیفہ صاحب کی وہ بات بھی ہے جسکی طرف کئی مرتبہ اشارہ ہوچکا ہے - قرآن مجید میں اعداد کا یہ حساب اور اسکی حفاظت کا یہ حسابی نظام یہ بھی واقعہ ہے کہ اس دور کے انکشافات میں بڑی اہمیت کا حامل ہے -

بارك الله لی ولکم فی القرآن العظیم ونفعنی وایاکم بالآیات والذکر الحکیم -

قرآنی علم وفہم کا درجہ حکمت

(تیسری قسط)

—— مولانا محمد تقی امینی

"احسن تقویم" میں نورِ فطرت کی وجہ سے شرحِ صدر ہوا۔ سعادت کی طرف رجحان ہوا، انسان امورِ سعادت کے لائق بنا اور پھر ان کو قبول کرنے پر آمادہ ہوا۔ قرآنِ حکیم میں ہے۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝	کیا وہ جن کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا ہے۔ پس وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہیں (اور جن کے دل سخت ہیں، یکساں ہوں گے)

شرحِ صدر یہ ہے :-

بسطة بنور الٰهی وسكينة من جهة الله وروح منه	نورِ الٰہی کے ذریعے دل کی کشادگی اور اللہ کی طرف سے رحمت وسکینت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

ان الله تبارك وتعالٰی خلق خلقه فی ظلمة فالقی علیهم من نوره فمن اصابه من ذالك النور اهتدی ومن اخطأه ضل	اللہ نے مخلوق کو تاریکی میں پیدا کیا پھر اس پر اپنا نور ڈالا، جس شخص نے اس نور کے ذریعہ اپنے کو درست کیا اس نے ہدایت پائی اور جس نے درست نہیں کیا وہ گمراہ ہوا

انبیاء علیہم السلام کا نورِ فطرت سب سے زیادہ قوی، سب سے زیادہ روشن، سب سے زیادہ رہنمائی دینے والا اور سب سے زیادہ امورِ سعادت پر آمادہ کرنیوالا

ہے۔ اس لحاظ سے وہ " آفتاب آمد دلیلِ آفتاب " کے مصداق ہے اور دوسرے انسانوں کے لئے عملی شہادت کا درجہ رکھتا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا:۔

یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَیِّنَةٍ	اے میری قوم کے لوگو! غور کرو اگر میں
مِّنْ رَّبِّیْ وَاٰتٰىنِیْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ	اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں
فَعُمِّیَتْ عَلَیْكُمْ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا	اور اس نے اپنی رحمت خاصہ سے بھی نوازا
وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ۝	لیکن تمہیں نہیں دکھائی دے رہی ہے تو

کیا ہم اس کو جبراً تمہارے اوپر چپکا دیں۔ حالانکہ تم اس سے بیزار ہو۔

حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا:۔

یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَیِّنَةٍ	اے میری قوم کے لوگو! دیکھو تو سہی اگر
مِّنْ رَّبِّیْ وَاٰتٰىنِیْ مِنْهُ رَحْمَةً	میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل
فَمَنْ یَّنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ	پر ہوں اور اس نے اپنی رحمت خاصہ سے
عَصَیْتُهٗ فَمَا تَزِیْدُوْنَنِیْ	بھی نوازا تو اگر میں اس کی نافرمانی کروں
غَیْرَ تَخْسِیْرٍ ۝	تو اس کے مقابلے میں کون میری مدد کریگا
(سورۂ ھود آیت ۶۳)	تم میرے خسارہ ہی میں اضافہ کرنا چاہتے ہو

حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا:۔

اَرَءَیْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَیِّنَةٍ	اے میری قوم کے لوگو! سوچو تو سہی اگر میں
مِّنْ رَّبِّیْ وَرَزَقَنِیْ مِنْهُ رِزْقًا	اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں
حَسَنًا ؕ وَمَاۤ اُرِیْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ	اور اس نے رزق حسن (رحمت خاصہ)
اِلٰى مَاۤ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِیْدُ	عطا فرمایا تو اس کے سوا تمہیں اور کس چیز
اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ	کی دعوت دوں) اور میں یہ نہیں چاہتا کہ
(سورۂ ھود آیت ۸۸)	جس سے تمہیں روکتا ہوں اس کو میں خود
	اختیار کروں۔ میں تو صرف اصلاح چاہتا ہوں

ان آیتوں میں دعوت کی بنیاد بیّنہ (نورِ فطرت) اور رحمت (نورِ وحی) دونوں پر رکھی گئی ہے جس سے اس راہ میں خاص طور سے نورِ فطرت کی اہمیت و رہنمائی واضح ہوئی،

اور نورِ وحی کے ساتھ اس کی مطابقت کا ثبوت ملتا ہے، چنانچہ مفسّرین نے "بیّنہ" سے شعوری یقین، الٰہی فیضان وبصیرت وغیرہ اور رحمت و رزقِ حسن سے نبوّت وحکمت مراد لیا ہے۔ نورِ وحی کی تعبیر رزقِ حسن کے ساتھ کرنے میں یہ اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح بقائے حیات کے لئے مادّی رزق ضروری ہے اسی طرح بقائے انسانیت کے لئے معنوی رزق (نورِ وحی) ضروری ہے۔ نورِ فطرت ہی کی رہنمائی پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عنفوانِ شباب میں اپنے باپ اور اپنی قوم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا:

مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ (سورۂ انبیاء آیت ۵۳)	یہ مورتیاں کیا ہیں جن کی پوجا پر تم جم کر بیٹھ گئے ہو۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے نبوّت سے پہلی زندگی بطور سند پیش کی:

لَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ	میں اس سے پہلے تم میں عمر کا بڑا حصّہ گزار چکا ہوں۔ کیا اس کو تم نہیں سمجھتے ہو

(سورۂ یونس آیت ۱۶)

اسی طرح قبل از نبوّت تمام نبیوں کی زندگیاں نورِ فطرت کی رہنمائی پر شاہدِ عادل ہیں کہ وہ شرک وبت پرستی، مادّی کثافتوں و ہمہ قسم کی آلودگیوں سے صاف ستھری رہیں اور ان صفات وخصائص سے آراستہ رہیں جن کا نزول فطرت کی جانب سے ہوتا تھا۔ وحی کے نزول کا سلسلہ تو بعد میں شروع ہوتا رہا۔

"احسن تقویم" میں نورِ فطرت کی وجہ سے نوری امتزاج عمل میں آیا جس نے انسان کو غیر معمولی صلاحیتوں و سرفرازیوں سے نوازا اور نیابت (اللہ کی) وقیادت (کائنات کی) کا مستحق ٹھہرایا۔ جس کی صورت یہ ہوئی کہ نورِ فطری اور ذوقِ طبعی (جو اسکے اجزائے ترکیبی کے خواص سے تیار ہوا تھا) ایک دوسرے کے متضاد ہیں اور انفرادی حیثیت سے دونوں میں کوئی اس قابل نہیں کہ انسان کو مطلوب مقام ومنصب کے لائق بنا سکے۔

چنانچہ ذوقِ طبعی کے خواص کو ملحوظ رکھ کر فرشتوں نے کہا تھا:

اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا	کیا آپ اس کو خلیفہ بنائیں گے جو زمین

يَسۡفِكُ الدِّمَآءَ — میں فساد و خون ریزی کرے گا۔

نورِ فطری کے خواص اگرچہ فرشتوں میں موجود تھے لیکن وہ آدم کے ساتھ مقابلہ کے امتحان میں ناکام ہوئے اور ان الفاظ میں اپنے عجز کا اظہار کیا

سُبۡحٰنَكَ لَا عِلۡمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا — آپ کی ذات پاک ہے۔ ہمیں تو کچھ علم نہیں مگر وہی جو آپ نے دیا۔
(البقرۃ - ۲۲)

لیکن نورِ فطری کے خواص کا امتزاج جب ذوقِ طبعی کے خواص سے ہوا تو ایک ایسی "توانائی" وجود میں آئی جس نے انسان کو وہ کچھ دیا جس کو دینے کے لئے اسے پیدا کیا گیا تھا۔

غالباً اسی توانائی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے واقعہ خلافت میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو یہ جواب دیا تھا:

اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ (البقرۃ ۳۰) — میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ہو۔

نوری امتزاج کا عمل نہایت نازک و باریک اور صناعی کا بہترین شاہکار ہے جس کا تحلیل و تجزیہ انسان کے بس سے باہر ہے صرف مظاہر کو دیکھ کر اس کا پتہ لگایا جا سکتا ہے اور اوصاف و خصائص کے ذریعہ اس کے اثرات کی نشاندہی کی جا سکتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نورِ فطرت کی کرنیں اپنے وظیفہ کے لحاظ سے مختلف گروپ میں تقسیم ہیں اور ہر ذوقِ طبعی کی لہریں اپنی کارکردگی کے لحاظ سے بھی مختلف گروپ میں تقسیم ہیں۔ کرنوں کے جس گروپ کو لہروں کے جس گروپ کے ساتھ خاص وظیفہ کی ادائیگی میں مناسبت ہوتی ہے بس اس کا اس کے ساتھ امتزاج کر دیا جاتا ہے اور پھر اسی کے لحاظ سے انسان کی خصوصیتوں اور صلاحیتوں میں تفاوت ہوتا ہے۔

گفتگو نوری امتزاج کے قدرتی عمل کی ہے کہ اس کے ذریعے کرنوں کو نامیاتی لہروں میں مستحکم کر کے ان لہروں کو متعلقہ خاص کام کی ادائیگی کے قابل بنایا جاتا ہے۔ (کہ اس کام کو تنہا یہ کرنیں انجام دے سکتی ہیں اور نہ یہ لہریں) ورنہ جہاں تک نورِ فطرت سے فیضیاب ہونے کا تعلق ہے سبھی لہریں حسبِ حیثیت ان سے مستفیض ہو کر احسن تقویم میں اپنا جواز مہیا کرتی ہیں جس طرح سورج کی شعاعوں سے سبھی مادی اشیاء

مستنیض ہوتی ہیں، لیکن جن نامیاتی مادوں سے متعلق خاص کام ہوتا ہے وہ ان کرنوں کو اپنے اندر جذب کرکے ان سے روشنی، قوت اور غذائیت حاصل کرتے ہیں اور پھر وہ مادّے مفوضہ کام کے انجام دینے کے قابل بنتے ہیں۔

مادّی اشیاء میں اس قسم کے نوری امتزاج کے قدرتی عمل سے کسی کو بھی انکار نہیں ہے۔ کرۂ ارض کی ساری چہل پہل اس کی مرہون منت ہے۔ خوردنی اشیاء کی ہر بنیادی کڑی اسی پر منحصر ہے اور زندگی کے تحفظ و بقا کے لئے اس کے کلیدی رول پر سبھی کا اتفاق ہے۔ جب مادّی اشیاء میں نوری امتزاج کا یہ کردار مسلّم ہے تو انسان کے اوصاف و کمالات میں اس کے تسلیم کرنے میں کیا دشواری ہے! انسان جو ایک طرف تکوین کائنات کا نقطۂ اوّلین اور تخلیق کائنات کا گل سرسبد ہے اور دوسری طرف حریم قدس کا رازدان نوامیسِ فطرت کا نکتہ داں ہے۔ وہ کیونکر اللہ کے نور (نورِ فطرت اسی کا پرتو ہے) سے محروم قرار دیا جاسکتا ہے؟ اور نور کے بغیر فرائض کی انجام دہی کا مطالبہ اس سے کیسے درست ہوسکتا ہے کہ جن کے لئے نوری صفات و کائناتی خصوصیات دونوں کی نمائندگی درکار ہے۔

چنانچہ نوری امتزاج کے بعد ہی وہ عہد لیا گیا جو رہتی دنیا تک انسان میں نوری صفات کی نمائندگی کی ضمانت پیش کرتا ہے اور اس کے بعد ہی وہ مظاہرہ کرایا گیا جو کائنات تک انسان میں کائناتی خصوصیات کی ضمانت دیتا ہے۔

نوری صفات کی نمائندگی کا ذکر اس آیت میں ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰی ۛ	اور جب آپ کے رب نے اولادِ آدم کی پشت سے ان کی اولاد نکالی اور ان سے انہیں کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں! سب نے کہا بے شک آپ رب ہیں۔

مفسّرین نے اس عہدِ فطرت کو عالم ارواح یا عالم مثال کا واقعہ تسلیم کیا ہے۔ لیکن اس کو خلافت آدم کے واقعہ کی ایک کڑی تسلیم کر لینے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

کائناتی خصوصیات کی طرف اشارہ اس آیت میں ہے:

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ	اور اللہ نے آدم کو کل اسماء سکھائے

عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْبِئُوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

پھر ان کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا کہ ان کے نام بتاؤ اگر تم سچے ہو۔

(سورۃ بقرہ ۳۱)

قرینہ سے الاسماء کا الف لام عہد کا معلوم ہوتا ہے۔ مراد کچھ خاص اسماء ہیں جن کا کل مراد ہے۔ الاسماء کی یہ تفسیر کی گئی ہے:-

الھمہ معرفۃ ذوات الاشیاء وخواصھا واسماءھا واصول العلوم وقوانین الصناعات وکیفیۃ الاتھا۔	اللہ نے آدمؑ کو اشیاء کی ذات، خواص اور نام نیز علم کے اصول صنعتوں کے قوانین اور آلات کی کیفیت الہام کی
علمہ صفات الاشیاء ونعوتھا وخواصھا	اللہ نے آدمؑ کو اشیاء کی صفات اور ان کے خواص سکھائے ۔

علم سے بھی اجمالی علم مراد لیا گیا ہے جس سے خصوصیت وصلاحیت کی طرف اشارہ ہے۔

علما اجمالیا ولیس المراد العلم التفصیلی۔	اجمالی علم مراد ہے نہ کہ تفصیلی

نوری امتزاج کے عمل کی جگہ غالباً تحت الشعور ہے جو شعور سے کہیں زیادہ بڑا اور انسان کے جذبات وخواہشات کا سرچشمہ تسلیم کیا گیا ہے۔ چنانچہ آدم وحوّا نے جب تحت الشعوری جذبہ وخواہش کے تحت حکم عدولی کی اور اس درخت کے قریب گئے جس کے قریب جانے سے انہیں روکا گیا تھا تو اس فعل کو وہ شعور نہ برداشت کرسکا جو نوری امتزاج کے باعث ابھرا تھا اور دونوں کو یہ کہنے پر آمادہ کر دیا :

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ٚ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ (سورہ اعراف۔ ۲۳)

اے ہمارے رب! ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے۔ اگر آپ ہماری مغفرت نہ کریں گے اور ہمارے اوپر رحم نہ کرینگے تو ہمارے لئے خسارہ ہی خسارہ ہے

ظاہر ہے کہ اس ابتدائی زندگی میں نوری امتزاج کے علاوہ شعور کے ابھرنے کا کوئی اور ذریعہ و تجربہ نہ تھا۔

(جاری ہے)

قرآن کی زبان

—— ❀ ڈاکٹر عبدالخالق، صدر شعبۂ فلسفہ، پنجاب یونیورسٹی

فکر اسلامی کی تاریخ میں جتنے بھی مابعد الطبیعی، دینیاتی اور فقہی اختلافات رونما ہوئے ہیں ان میں سے ہر ایک کے لئے خالصتہً نفسیاتی وجوہ کے ساتھ ساتھ سیاسی وسماجی ضروریات نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ تاہم ان اختلافات کا ایک ایسا پہلو بھی ہے جس کی جانب مسلمان حکماء نے اب تک بہت کم توجہ دی ہے۔ اس پہلو کا تعلق قرآن حکیم کی زبان سے ہے۔ یہ بات بلاخوفِ تردید کہی جا سکتی ہے کہ ہر مدرسۂ فکر اپنے موقف کی تائید میں قرآن وحدیث سے ہی استشہاد کرتا ہے اور اس عمل میں علماء وحکماء کا خلوص نیت بھی اکثر وبیشتر موجود ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود ایک ہی نوع کی آیات سے الگ الگ بلکہ بعض اوقات متناقض معانی اخذ کر لئے جاتے ہیں —— قرآن حادث ہے یا قدیم، انسان آزاد ہے یا مشیت ایزدی کا پابند، دیدارِ الٰہی ممکن ہے یا ناممکن، کائنات کی بالارادہ تخلیق کی گئی یا یہ ایک لزوم کیساتھ اللہ تعالیٰ سے صادر ہوئی۔ وغیرہ۔ ان سب مباحث میں مفکرین نے قرآن حکیم اور اقوال رسولؐ سے ہی حوالے پیش کئے ہیں۔ اس ساری صورت حال سے یہ نتیجہ بڑی آسانی سے اخذ کیا جا سکتا ہے کہ قرآن کی زبان میں مطالب ومفاہیم کی مختلف تہیں موجود ہیں جن سے ہر فکری سطح اور ہر ذہنی استعداد کے لوگ رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔ ابن رشد نے اسی بات کے پیش نظر مذہب سے متعلق افراد کو تین گروہوں میں تقسیم کیا تھا —— فلسفی، متکلمین اور عوام الناس —— حقیقت مطلق تک رسائی حاصل کرنے کے لئے فلسفی برہانی استدلال استعمال کرتے ہیں، متکلمین جدلی استدلال کا سہارا لیتے ہیں جبکہ عوام الناس کے لئے زور خطابت اور شاعرانہ تمثیلات ہی کافی ہوتی ہیں۔ اس موضوع پر حجۃ الاسلام امام غزالیؒ نے بھی کچھ تفصیلات مہیا کی ہیں جن سے نہ صرف یہ کہ ایک مثبت

فلسفہ مذہب کی بنیاد فراہم ہوتی ہے بلکہ قرآن کے مطالب کی ان سطحوں کا بھی سراغ ملتا ہے جو مختلف ذہنی افتاد رکھنے والے لوگوں کے لئے ہدایت کا سامان مہیا کرتی ہیں۔ مختلف گروہوں کے باہمی تنازعات اور چھوٹے چھوٹے مسئلوں پر تکفیر و تکذیب کے لامتناہی سلسلوں پر اظہار خیال کرتے ہوئے امام غزالیؒ نے کہا کہ یہ سب کچھ دراصل کم علمی کے باعث ہوتا ہے۔ ایمان و تصدیق کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرتؐ نے جن چیزوں کے وجود کی خبر دی ہے ان کے وجود کو تسلیم کر لیا جائے لیکن وجود کے پانچ مراتب ہیں جن میں سے کوئی درجہ بھی مراد لیا جا سکتا ہے

اوّل وجود ذاتی

دوم وجود حسّی

سوم وجود خیالی

چہارم وجود عقلی

پنجم وجود شبہی

امام غزالیؒ کے نزدیک شریعت میں مذکورہ موجودات کا مطلقاً انکار کرنا کفر ہے۔ لیکن اگر ان پانچ اقسام میں سے کسی قسم کے مطابق ان کا وجود تسلیم کر لیا جائے تو یہ کفر نہ ہوگا بلکہ تاویل ہوگی اور تاویل سے کسی شخص اور کسی فرقے کو مفر نہیں۔

یہ قرآن کا یقیناً بہت بڑا اعجاز ہے کہ قرن اول سے لے کر آج کے سائنسی اور تکنیکی دور تک اور ایک سادہ ذہن سے لے کر متمدن اور مہذب ترین شخص تک سب کے لئے یہ برابر طور پر ایک عظیم منبع رشد و ہدایت کی حیثیت رکھتا ہے۔ البتہ قرآنی آیات کے کسی خاص مفہوم کے استنباط میں اگر انسان کی بدنیتی اور عدم خلوص کا دخل ہو جائے تو سوائے کنفیوژن کے کچھ حاصل نہیں ہوتا اور یہی قرآن اس کے لئے ضلالت و گمراہی کا سبب بن جاتا ہے۔ يُضِلُّ بِهٖ مَنْ يَّشَاءُ وَيَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَاءُ

خود قرآن ہی کے فیصلے کے مطابق اس سے گمراہی حاصل کرنے والے اکثر لوگ وہ ہیں جو اپنی ذاتی خواہشات کی تکمیل کی خاطر متشابہ آیات کی مختلف تاویلات کرتے چلے جاتے ہیں۔ محکم آیات پر تو ان کا بس نہیں چلتا کیونکہ ان کے معانی متعین ہوتے ہیں۔ لیکن متشابہ آیات کے معانی متعین نہیں ہوتے اور مختلف اندازسے ان

کی توجیہہ کی جاسکتی ہے وہ اس سہولت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے من مانی کارروائی کرنے کا جواز حاصل کر لیتے ہیں۔

لسانی فلسفیوں نے الفاظ کے مطالب کی دو اقسام گنوائی ہیں جنہیں بنیادی اور ثانوی مطالب کا نام دیا جاسکتا ہے۔ بنیادی مطالب سے مراد الفاظ کے لغوی معانی ہیں۔ یہ معانی الفاظ کو Uniqueness of Refrence عطا کرتے ہیں اور یوں انہیں اس قابل بناتے ہیں کہ ابلاغ عامہ کے لئے اپنا بھرپور کردار ادا کر سکیں لیکن ہر لفظ کا ایک ثقافتی پہلو اور ایک واضح معاشرتی کردار بھی ہوتا ہے۔ روزمرّہ زندگی کی مختلف Situations میں استعمال سے اس میں مفہوم و معنی کے مختلف shades پیدا ہو جاتے ہیں۔ ارتقاء کا یہی عمل الفاظ کے ثانوی مطالب کو جنم دیتا ہے۔ قرآن حکیم نے آیات محکمات و متشابہات میں جو فرق کیا ہے اسے الفاظ کے بنیادی اور ثانوی مطالب کے اسی فرق سے متماثل قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس لحاظ سے آیات متشابہات وہ آیات ہیں جن میں مفہوم کی مختلف سطحیں موجود ہوتی ہیں اور اسی بنا پر ان سے ہر صورت حال میں رشد و ہدایت حاصل کی جا سکتی ہے۔

محکمات اور متشابہات کے اس مبینہ فرق کے باوجود اگر قرآن کا بغور مطالعہ کیا جائے تو ہم دیکھیں گے کہ یہ فرق کوئی مطلق نوعیت کا نہیں ہے۔ ایک مقام پر قرآن دعویٰ کرتا ہے کہ اس کی آیات محکم ہیں اور ایک دوسری جگہ اس نے اپنے لئے کتاباً متشابہاً کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ یہ دونوں موقف درحقیقت باہم دگر متناقض نہیں ہیں۔ کیونکہ ان کا اشارہ معروضی نہیں بلکہ موضوعی صورت حال کی جانب ہے۔ ان کی موزونیت کا انحصار ان افراد کی ذہنی سطح اور افتاد طبع پر ہے جو مشتملات قرآن کا ادراک حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اگر کوئی شخص حسی تجربے اور تحلیلی فکر Analytical Reason کی سطح پر ہو یعنی اس کی سوچ محض مادی حوالوں کی ہی پابند ہو تو اس کے لئے سارا قرآن متشابہات کی حیثیت اختیار کرے گا۔ یہاں تک کہ وہ خود اللہ تعالیٰ کو ایک مطمح نظر ایک نصب العین یا ایک مثالی قدر سمجھنے لگے گا۔ اس ضمن میں ایک ملک کے قومی علم کی مثال دی جا سکتی ہے۔ دیکھنے میں تو یہ علم صرف کپڑے یا کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے لیکن اس کے اندر ایک نہایت گہری معنویت پوشیدہ ہوتی ہے۔ اسے قومی عزت اور

وقار کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ جب اس کو بلند کیا جائے تو اس ملک کے رہنے والے کا سر فخر سے بلند ہو جاتا ہے اور جب اس کی بے حرمتی ہو تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ خود قومی وقار کو ٹھیس پہنچی ہے۔ اسی طرح اللہ کا لفظ ان اقدار کے متبادل سمجھا جاتا ہے جو ساری نوعِ انسانی کے لئے منتہاءِ مقصود کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اسی طرح شیطان کا لفظ تمام برائیوں کی علامت ہے۔ جنّت اور جہنم مکانی حقیقتیں نہیں بلکہ صرف ذہنی حالتوں کے نام ہیں۔ ملائکہ قوانینِ فطرت ہیں وغیرہ ـــــ قرآن کی اشاراتی توجیہہ کی اس انداز کی روایت باقاعدہ طور پر معتزلہ سے شروع ہوئی جنہوں نے ذی مجسمہ کے عقائد سے پیدا ہونے والے اشکالات سے بچنے کی کوشش کی تھی۔ بہرحال اشاریت پسندوں کے نظریات میں جداگانہ نوعیت کی مشکلات موجود ہیں۔ وہ دراصل ایک ایسے مسلے کو غیر فطری طریق سے حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو خود ان کا اپنا پیدا کردہ ہے۔ فطری مشاہدے اور عقلی تجزیے پر کلی انحصار کرتے ہوئے پہلے تو وہ خدا اور کائنات کے درمیان ایک خلیج حائل کر لیتے ہیں اور پھر اسے عبور کرنے کے لئے قیاسات (Analogues) کا سہارا لیتے ہیں۔ اس اسلوبِ فکر میں بہت سی منطقی قباحتیں موجود ہیں جن کا تفصیلی ذکر اس مختصر سے وقت میں ممکن نہیں۔ البتّہ ایک بات نہایت اہم ہے اور وہ یہ کہ قیاسی استدلال فقط ان دو حدود کے مابین استعمال کیا جا سکتا ہے جو بنیادی طور پر پہلے ہی سے معلوم ہوں جبکہ یہاں ایک حد یعنی خدا اور اس کا تمام مافوق الفطری نظام کلیتہً غیر معلوم ہے۔ کیونکہ اس کی معرفت حاصل کرنے کے لئے ہی یہ استدلال استعمال کیا جا رہا ہے۔ اسی اشکال کی بنا پر اشعری مفکرین کے ایک گروہ نے یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو بلا کیف و لا تشبیہہ مان لینا چاہیئے۔ یہ نظریہ اگرچہ منفی نوعیت کا ہے لیکن اسے ایک لحاظ سے خالص عقلی اندازِ فکر کا لازمی اور منطقی نتیجہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

حسی تجربے کے برعکس اگر کسی شخص کو مذہبی شعور حاصل ہو یا زیادہ معروف اصطلاح میں یوں کہیئے کہ اُسے ایمان بالغیب نصیب ہو جائے تو اس کے لئے سارا قرآن محکم حیثیت اختیار کر لے گا۔ ایمان بالغیب حق الیقین کے اس مرتبے کا نام ہے جو اقبال کے نزدیک ایک منفرد تجربے سے پیدا ہوتا ہے۔ اس سطح پر تمام مابعد الطبیعی حقائق سے جو کہ بعض آیاتِ قرآنی کا موضوع رہے ہیں سے براہِ راست آگہی حاصل ہو جائیگی اور وہ اپنے روزمرّہ کے معاملات بھی اسی آگہی کی روشنی میں کرنے لگے گا۔ مشہور حدیث ہے: اتقوا فراسة المؤمن فانه ينظر بنور الله

اس مقام پر فائز ہوکر اسے فہم قرآن کے لئے کسی قسم کی توجیہ و تاویل کی ضرورت پیش نہیں آتی اور نہ ہی کسی نوع کی فکری کاوش یا لسانی تجزیہ درکار ہوتا ہے۔ آیات قرآنی کی تلاوت کرتے ہوئے ان کا مافی الضمیر اس پر بلاواسطہ وارد ہو جاتا ہے۔ اپنے قلب و روح کی گہرائیوں سے وہ یوں محسوس کرتا ہے کہ گویا قرآن اسی پر نازل ہو رہا ہے اور وہ اللہ سے محوِ گفتگو ہے۔ مشہور فرانسیسی فلسفی برگسان نے اس قسم کے رویئے کو Intellectual Analysis سے مختلف قرار دیتے ہوئے Intellectual sympathy کا نام دیا ہے۔ چنانچہ قرآن کو سمجھنا ایک مخصوص زاویۂ نگاہ یا نقطہ نظر اختیار کرنے پر منحصر ہے۔ جس طرح کسی سطح زمین کے نشیب و فراز کا ادراک حاصل کرنے کے لئے بلند تر جگہ پر کھڑے ہو کر جائزہ لینا پڑتا ہے۔ اسی طرح قرآنی آیات کو سمجھنے کے لئے ہمیں خود خدا کے ساتھ تعلق خاص قائم کر کے اس کی مشیت کو اپنے رویوں کا لازمی حصہ بنا لینا چاہیئے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے قرآن حکیم نے بالعموم کائنات کے حسی مشاہدے اور اس پر فکر و تدبر کی دعوت دی ہے فطرت خدا کی عادات پر مشتمل ہے۔ جس طرح ایک انسان کی معرفت حاصل کرنا اس کی عادات و اطوار کو سمجھ لینے کے مترادف ہے اسی طرح مظاہر فطرت خدا کی ہستی اور اس کی صفات کی جانب بلیغ اشارات مہیا کرتے ہیں۔ ان پر غور و فکر کرنے سے ہی اللہ کی معیت کا وہ احساس اپنے میں دوبارہ زندہ کیا جا سکتا ہے جو روزِ الست ہمارے لاشعور کو ودیعت کر دیا گیا تھا۔

(بقیہ: نقد و نظر)

وہ دیکھ سکتا ہے کہ ان لاکھ روپوں پر جو حصہ اسے مل سکتا ہے وہ کتنے فی صد ہے، اس پر بھی وہ غور کر سکتا ہے کہ کیا ایک لاکھ روپیہ زمین پر لگانا مفید ہوگا یا اگر وہ کوئی اور کاروبار کرے تو اسے اس سے زیادہ شرح منافع حاصل ہو سکتی ہے۔ اگر کسی دوسرے کاروبار میں منافع زیادہ ہونے کا امکان ہو تو شاید اس کے لئے یہ زیادہ مناسب ہو کہ وہ دوسرا کاروبار کرلے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایسا شخص اپنے سرمایہ سے کوئی دوسری جائداد وغیرہ خریدے یا اسے کسی دوسرے پیداآور کام میں لگائے اور خود مزارعت پر زمین لیکر محنت کرنے میں اپنا منافع جانے ایسی صورت میں مزارعت کسی مجبوری کا نام نہ ہوگا بلکہ مزارع کے اپنے انتخاب اور اختیار کا — مختصر یہ کہ مزارعت لازماً مجبوری کے طور پر نہیں اپنائی جاتی

مروجہ نظام زمینداری اور اسلام (۵)

مزارعت اور مرفوع احادیث

از قلم: مولانا محمد طاسین

احادیث عبداللہ بن عباسؓ

(۱) قال عمرو قلت لطاؤس لو تركت المخابرة فانهم يزعمون ان النبي صلى الله عليه وسلم نهى عنه فقال اي عمرو واني اعطيهم واعينهم وان اعلمهم اخبرني يعني ابن عباس رضي الله عنه ان النبي صلى الله عليه وسلم لم ينه عنه ولكن قال ان يمنح احدكم اخاه خير له من ان يأخذ عليه خرجا معلوما۔

(ص ۳۱۳ ج ۱ صحیح البخاری)

حضرت عمرو بن دینار نے کہا کہ میں نے حضرت طاؤس سے عرض کیا کہ کاش آپ مخابرہ کو چھوڑ دیتے کیونکہ کئی صحابہؓ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ اس کے جواب میں طاؤس نے فرمایا میں مزارعین کو ان کے حق سے زیادہ دیتا اور ان کی اعانت کرتا ہوں اور یہ کہ صحابہؓ میں جو زیادہ علم والا ہے یعنی ابن عباسؓ اس نے مجھے بتلایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع نہیں کیا بلکہ یہ فرمایا کہ تم میں سے کسی کا اپنی زمین اپنے بھائی کو مفت کاشت کے لئے دے دینا بہتر ہے بجائے اس کے کہ اس پر کوئی متعین پیداوار وغیرہ لے۔

(۲) عن طاؤس عن ابن عباس ان رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يحرم المزارعة ولكن امر ان يرفق بعضهم ببعض۔

(ص ۱۶۶ ج ۱ جامع ترمذی)

حضرت طاؤس نے حضرت عبداللہؓ ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزارعت کو حرام نہیں ٹھہرایا بلکہ یہ حکم دیا کہ بعض لوگ دوسرے بعض کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کریں۔

(۳) عن طاؤس عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یحرم کراء الارض ولکنہ امر بمکارم الاخلاق۔

حضرت طاؤس نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے کراء الارض کو حرام نہیں کہا بلکہ حکم دیا مکارم اخلاق اختیار کرنے کا۔

(ص ج)

(۴) عن ابن عباس اذا اراد احدکم ان یعطی اخاہ ارضا فلیمنحھا ایاہ و لا یعطہ بالثلث والربع۔

(ص ۷۲ ۔ ج ۸ ۔ کنز العمال بحوالہ طبرانی)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب تم میں سے ایک اپنے بھائی کو زمین دینا چاہے تو اسے بطور منحہ بلا معاوضہ دے۔ تہائی اور چوتھائی پر نہ دے۔

(۵) عن ابی القاسم عن ابن عباس قال اعطی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم خیبر بالشطر ثم ارسل ابن رواحۃ فقاسمھم۔

(ص ۲۶۰ ۔ ج ۲ ۔ طحاوی)

ابو القاسم سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے خیبر نصف پر دیا۔ پھر ابن رواحہ کو بھیجا۔ اس نے ان سے تقسیم کا معاملہ کیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ان احادیث میں سے پہلی، دوسری اور تیسری حدیث کے راوی صرف ایک تابعی حضرت طاؤس بن کیسان ہیں، تینوں کے الفاظ میں اگرچہ اختلاف ہے لیکن مطلب تینوں کا تقریباً ایک ہے اور وہ یہ کہ معاملۂ مزارعت و کراء الارض حرام نہیں بلکہ مکارم اخلاق کے خلاف ایسا مکروہ سا معاملہ ہے جس کا ترک کرنا، اختیار کرنے سے بہتر ہے۔ یہ مطلب ممکن ہے حضرت ابن عباس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ان الفاظ سے سمجھا ہو جو پہلی حدیث میں مذکور ہیں یعنی " ان یمنح احدکم اخاہ خیرلہ من ان یاخذ علیہ خرجا معلوما " اگر یہ الفاظ بعینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ہیں تو ان سے بلاشبہ مطلب مذکور نکل سکتا ہے بشرطیکہ دوسری احادیث سے اس کی نفی نہ ہوتی ہو، لیکن نہ صرف یہ کہ دوسرے صحابۂ کرام کی احادیث سے بلکہ خود حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اس اثر سے بھی اس کی نفی ہوتی ہے جو نمبر چار پر طبرانی کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے

اس میں نہی کے صیغے سے " لا یعطہ بالثلث والربع " کے الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ مزارعت کا یہ معاملہ ابن عباسؓ کے نزدیک ناجائز اور ممنوع معاملہ تھا۔ پہلے تو حرام ورنہ مکروہ تحریمی ضرور تھا، حافظ ابوبکر الحازمی نے ابن عباسؓ کو ان صحابہ کرامؓ میں شمار کیا ہے جو اس معاملے کو فاسد سمجھتے تھے۔

چونکہ حضرت طاؤس کی بیان کردہ حضرت ابن عباسؓ کی احادیث دوسرے صحابہؓ کی احادیث سے متعارض ہیں لہٰذا آگے چل کر تعارض کی بحث میں حضرت طاؤس کی مذکورہ روایات سے بحث و تحقیق کی جائے گی۔

حضرت ابن عباسؓ کی پانچویں حدیث جو معاملہ خیبر سے متعلق ہے اور جس کے الفاظ ابوعبید کی کتاب الاموال میں اس طرح ہیں:

عن ابن عباس قال دفع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر ارضها ونخلها الی اهلها مقاسمة علی النصف (ص۶۸)	حضرت ابن عباسؓ نے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے کھیت اور باغ یہود خیبر کو پیداوار کے نصف نصف پر دیئے۔

چونکہ یہ معاملہ جیسا کہ پہلے حضرت ابن عمرؓ کی احادیث میں عرض کیا گیا ایک سیاسی نوعیت کا اور خراج مقاسمت کا معاملہ تھا، مزارعت کا معاملہ نہ تھا۔ لہٰذا اس سے مزارعت کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔

حضرت اُسیدؓ بن ظہیر کی حدیث

(۱) عن رافع بن اُسید عن ابیه اُسید بن ظُهیر انه خرج الی قومه الی بنی حارثة فقال یا بنی حارثة لقد دخلت علیکم مصیبة، قالوا ما هی؟ قال نهی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم عن کراء الارض، قلنا یا رسول اللہ اذا نکریها بشیٔ	حضرت رافع بن اُسیدؓ نے اپنے باپ اُسیدؓ بن ظُہیر سے روایت کیا کہ وہ اپنی قوم بنی حارثہ میں پہنچے اور ان سے کہا کہ تم پر ایک مصیبت آگئی ہے انہوں نے پوچھا وہ کیا مصیبت ہے؟ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کراء الارض سے منع فرما دیا ہے، ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! تو

من الحب قال لا، قال وكنا نكريها بالتبن فقال لا، وكنا نكريها بما على الربيع الساقي قال لا، ازرعها او امنحها اخاك

(ص ۱۴۱۔ ج ۲۔ سنن النسائی)

پھر کیا ہم غلے کی کچھ مقدار کے عوض زمین دے سکتے ہیں؟ جواب ... آپ نے فرمایا نہیں، ہم نے عرض کیا کہ ہم بھوسے کے بدلے دیا کرتے تھے، فرمایا یہ بھی جائز نہیں، عرض کیا ہم نالیوں کے کنارے کی پیداوار کے عوض دیا کرتے تھے فرمایا نہیں، خود کاشت کرو یا اپنے بھائی کو یونہی کاشت کے لئے دے دو۔

(۲) عن مجاهد عن أُسَيد بن ظُهَير قال اتى علينا رافع بن خديج فقال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهاكم عن امر كان ينفعكم وطاعة رسول الله صلى الله عليه وسلم خير لكم مما ينفعكم ، نهاكم رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الحقل والحقل المزارعة بالثلث والربع فمن كان له ارض فاستغنى عنها فليمنحها اخاه او ليدع۔

(ص ۱۴۱ ۔ ج ۲ ۔ النسائی)

حضرت مجاہد نے روایت کیا حضرت اُسیدؓ بن ظہیر نے کہا کہ حضرت رافع بن خدیج ہمارے ہاں آئے اور کہا کہ رسول اللہ نے تمہیں ایک ایسے معاملے سے روک دیا ہے جو تمہارے لئے نفع مند تھا لیکن رسول اللہ کی اطاعت تمہارے لئے تمام منافع سے بہتر ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حقل سے منع فرمایا ہے اور حقل تہائی و چوتھائی پر مزارعت کا نام ہے۔ پس جس کے پاس زمین ہو اور اس کو اس کی ضرورت نہ ہو تو وہ اپنے بھائی کو یونہی مفت کاشت کے لئے دے دے یا پھر اسے کھڑا چھوڑ دے۔

حضرت اُسیدؓ بن ظُہیر جو حضرت رافعؓ بن خدیج کے چچیرے بھائی اور صحابیؓ ہیں ان کی پہلی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن لوگوں کے سامنے کراء الارض کی ممانعت کا اعلان فرمایا ان میں ایک حضرت اُسیدؓ بن ظُہیر بھی تھے، اس اعلان کو سننے کے بعد کچھ حضرات نے کراء الارض کی بعض ایسی شکلوں کی وضاحت چاہی جو نصف، تہائی اور چوتھائی پیداوار والی شکلیں نہ تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کی نفی فرمائی اور پھر مالک زمین کو حکم دیا کہ وہ خود کاشت کرے یا خود

نہ کرسکتا ہو تو اپنے بھائی کو بلا معاوضہ کاشت کے لئے دے دے، ظاہر ہے کہ اس سے معاوضے کی ہر شکل کی نفی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے حضرت اُسید بن ظُہیر نے اس ممانعت کو بنی حارثہ کے لئے مصیبت سے تعبیر کیا جو کراء الارض کا معاملہ کیا کرتے تھے مطلب یہ کہ اگر کراء الارض کی صرف بعض شکلوں کی ممانعت ہوتی تو اس میں ان کے لئے مصیبت کی کوئی خاص بات نہ تھی، دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اُسید بن ظُہیر کو کراء الارض اور مزارعت کی ممانعت کا علم اپنے چچیرے بھائی رافع بن خدیج سے ہوا لیکن اس سے پہلی بات کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ یہ ہوسکتا ہے کہ انہوں نے پہلے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست سنا ہو اور پھر رافع بن خدیج سے بھی معلوم ہوا ہو۔ دراصل کراء الارض کی ممانعت کا حکم ایک انقلابی قسم کا حکم تھا جس سے وہ سب لوگ متاثر ہوئے جو مختلف شکلوں سے کراء الارض کا کاروبار کرتے چلے آرہے تھے۔ لہٰذا یہ عین ممکن ہے کہ وہ لوگ متفرق طور پر ... آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے ہوں اور حقیقت حال معلوم کرنے کی کوشش کی ہو اور آپ نے متعدد مرتبہ قدرے مختلف الفاظ سے اس کی وضاحت فرمائی ہو کیونکہ ایسی صورت حال میں عموماً ایسا ہی ہوا کرتا ہے اور قانون سے متاثر ہونے والے قانون کی جزوی تفصیلات معلوم کیا کرتے ہیں۔

اب وہ احادیث و آثار ملاحظہ فرمایئے جو حضرت رافع بن خدیج سے مروی اور حدیث کی متفرق کتابوں میں مذکور ہیں۔

احادیث حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ

(۱) عن اُسید بن رافع قال، قال رافع بن خدیج نهاكم رسول الله صلى الله عليه وسلم عن امر كان لنا نافعا وطاعة رسول الله صلى الله عليه وسلم انفع لنا، قال من كانت له ارض فليزرعها فان عجز عنها

اُسید بن رافع نے روایت کرتے ہوئے کہا کہ ان کے باپ رافع بن خدیج نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں ایک ایسے معاملے سے روک دیا ہے جو تمہارے لئے نفع بخش تھا لیکن رسول اللہ کی اطاعت ہمارے لئے زیادہ نفع مند

فليزرعها اخاه.

(ص ۱۴۱ - ج ۲ - النسائی)

ہے آپؐ نے فرمایا جس کے پاس زمین ہو وہ خود اسے کاشت کرے اور اگر وہ اس سے عاجز ہو تو اپنے بھائی کو کاشت کے لئے دے دے۔

(۲) عن ابی النجاشی مولیٰ رافع بن خدیج قال سمعت رافع بن خدیج عن عمه ظُهَیر بن رافع قال ظُهَیر لقد نهانا رسول الله صلی الله علیه وسلم عن امر کان بنا رافقا قلت ما قال رسول الله صلی الله علیه وسلم فهو حق، قال دعانی رسول الله صلی الله علیه وسلم قال ما تصنعون بمحاقلكم قلت نؤاجرها علی الربع او الربیع وعلی الاوسق من التمر والشعیر، قال لا تفعلوا، ازرعوها او ازرعوها او امسکوها، قال رافع قلت سمعا وطاعة۔

(ص ۳۱۵ - ج ۱ - صحیح البخاری)

ابو النجاشی غلام رافع بن خدیج نے روایت کرتے ہوئے کہا کہ میں نے حضرت رافع بن خدیج سے سنا، انہوں نے اپنے چچا ظہیر سے روایت کیا یہ کہ ظہیر نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک ایسے معاملے سے روک دیا جو ہمارے لئے آسان و مفید تھا، میں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بھی فرمایا حق ہے، انہوں نے کہا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا اور پوچھا کہ تم اپنے کھیتوں کے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہو میں نے عرض کیا ہم اجارے پر دیتے ہیں بعوض چوتھائی پیداوار یا نالیوں کے کنارے کی پیداوار کے اور چھوہاروں گیہوں اور جو کی متعین مقدار کے بدلے یہ سن کر حضورؐ نے فرمایا ایسا مت کرو، خود کاشت کرو یا دوسرے کو کاشت کے لئے دے دو یا اپنے پاس روک رکھو، حضرت رافع نے فرمایا ہم نے سنا اور مانا یعنی حضور کا ارشاد سر آنکھوں پر۔

(۳) عن ابی النجاشی مولیٰ رافع بن خدیج قال قلت لرافع ان لی ارضا اکریها فنهانی رافع وارٰاه قال لی ان رسول الله صلی الله علیه وسلم نهی عن کراءِ

ابو النجاشی مولیٰ رافع بن خدیج نے روایت کرتے ہوئے کہا کہ میں نے حضرت رافع سے عرض کیا کہ میری ایک زمین ہے میں اسے کرایے پر دے سکتا ہوں تو انہوں

الارض وقال اذا كانت لاحدكم ارض فليزرعها او ليزرعها اخاه فان لم يفعل فليدعها و لا يكريها بشيئ فقلت ارأيت ان تركتها و لم ازرعها ولم اكرها بشيئ فزرعها قوم فوهبوا لي من ساته شيئًا اخذه قال لا ۔
(ص ۲۵۶ ۔ ج ۔ ۲ ۔ طحاوی)

نے اس سے منع کیا اور مجھ سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کراء الارض سے منع فرمایا ہے اور فرمایا جب تم میں سے کسی کی زمین ہو تو وہ اسے خود کاشت کرے یا اپنے بھائی کو کاشت کے لئے دے دے اور اگر ایسا نہیں کرتا تو اسے یونہی چھوڑ دے اور اس کو کسی شے کے بدلے کرائے پر نہ دے۔ اس پر

میں نے پوچھا کہ یہ بتلائیے کہ اگر میں اس زمین کو چھوڑ دوں نہ خود کاشت کروں اور نہ کرائے پر دوں اور کچھ لوگ آکر اسے کاشت کرلیں اور پھر وہ مجھے بطور [illegible] کی پیداوار میں سے کچھ دیں تو کیا میں لے سکتا ہوں؟ حضرت رافع نے جواب دیا کہ نہیں ۔

(۴) عن سليمان بن يسار عن رافع بن خديج قال، قال رسول الله صلى الله عليه وسلّم من كانت له ارض فليزرعها او يزرعها اخاه ولا يكريها بالثلث والربع ولا بطعام مسمّى
(ص ۲۵۶ ۔ ج ۲ ۔ طحاوی)

سلیمان بن یسار سے حضرت رافع بن خدیج نے روایت کرتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا جس کے زمین ہو چاہیئے کہ وہ اسے خود کاشت کرے یا اپنے بھائی کو کاشت کے لئے دے دے، تہائی، چوتھائی پیداوار یا غلّہ کی متعین مقدار کے بدلے کرایہ پر نہ دے

(۵) عن سليمان بن يسار عن رافع بن خديج قال كنا نحاقل الارض على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلّم فنكريها بالثلث والربع والطعام المسمّى فجاء ناذات يوم رجل من عمومتي فقال نهانا

حضرت سلیمان بن یسار سے روایت ہے کہ حضرت رافع بن خدیج نے کہا کہ ہم عہدِ رسالت میں زمین محاقلے پر دیا کرتے تھے یعنی تہائی اور چوتھائی پیداوار اور غلّے کی متعین مقدار کے بدلے کاشت کے لئے دیتے تھے، پس ایک دن میرے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
عن امر کان لنا نافعا وطواعیۃ اللہ
ورسولہ انفع لنا، نھانا ان نحاقل
بالارض فنکریھا علی الثلث والربع
والطعام المسمی وامر رب الارض
ان یزرعھا او یُزرعھا وکرہ
کراءھا وسوی ذلک
(ص ۱۳۔ ج ۲۔ صحیح المسلم)

چچاؤں میں سے ایک آئے اور کہنے لگے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک
ایسے معاملے سے روک دیا ہے جو ہمارے
لئے نفع بخش تھا لیکن اللہ اور اس کے
رسولؐ کی اطاعت ہمارے لئے اس سے
زیادہ نفع بخش ہے آپؐ نے ہم کو زمین
محاقلے پر دینے سے منع فرمادیا ہے،
اس سے کہ ہم تہائی، چوتھائی اور غلہ کی
مقررہ مقدار کے عوض زمین دوسرے کو کاشت کے لئے دیں اور زمین والے کو حکم
فرمایا ہے کہ وہ خود کاشت کرے یا دوسرے کو یوں ہی کاشت کے لئے دے اور اس
کے کرایہ وغیرہ معاوضے کو ناجائز ٹھہرایا۔

(۶) عن حنظلۃ الزرقی عن رافع بن خدیج
قال کنا اکثر اھل المدینۃ حقلا
وکان احدنا یکری ارضہ فیقول
ھذہ القطعۃ لی وھذہ لک فربما
اخرجت ذہ ولم تخرج ذہ فنھاھم
النبی صلی اللہ علیہ وسلم
(ص ۳۱۳۔ ج ۱۔ صحیح البخاری)

حضرت حنظلۃ الزرقی سے روایت ہے
کہ حضرت رافع بن خدیج نے کہا کہ ہم اہل
مدینہ میں زیادہ کھیتوں والے تھے، ہم
میں سے ایک اپنی زمین دوسرے کو کاشت
کے لئے دیتا اور کہتا زمین کا یہ ٹکڑا میرے
لئے ہوگا اور یہ تیرے لئے، پھر کبھی ایسا
ہوتا کہ یہ قطعہ اگاتا اور یہ نہ اگاتا، پس
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منع فرمادیا۔

(۷) عن حنظلۃ بن قیس عن رافع بن
خدیج قال حدثنی عمای انھم
کانوا یکرون الارض علی عھد
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
بما ینبت علی الاربعاء او بشیء
یستثنیہ صاحب الارض فنھانا

حضرت حنظلہ بن قیس نے روایت کیا
کہ حضرت رافع بن خدیج نے کہا کہ مجھ سے
میرے دو چچاؤں نے بیان کیا کہ وہ رسول اللہؐ
کے زمانہ میں زمین کرائے پر دیا کرتے
تھے بعوض اس پیداوار کے جو نالیوں
کے کنارے پر اگتی تھی یا ایسی شے کے

النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن ذلك فقلت لرافع کیف ھی بالدینار والدرھم فقال رافع لیس بھا بأس بالدینار والدرھم۔

(ص ۳۱۵ - ج ۱ - صحیح البخاری)

(ص ۱۲۵ - ج ۲ - سنن النسائی)

جس کو مالک زمین اپنے لئے مستثنیٰ کر لیتا تھا پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ہم کو روک دیا۔ میں نے رافع سے پوچھا کہ دینار و درہم کے عوض زمین کرائے پر دی جا سکتی ہے تو انہوں نے جواب دیا درہم و دینار کے عوض کچھ حرج نہیں۔

(۸) عن حنظلة بن قیس قال سالت رافع بن خدیج عن کراء الارض فقال نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عنه، قلت بالذھب والورق فقال لا، انما نھی عنھا بما تخرج الارض منھا، فاما الذھب والفضة فلا بأس

(ص ۱۲۵ - ج ۲ - سنن النسائی)

حنظلہ بن قیس نے روایت کرتے ہوئے کہا میں نے حضرت رافع بن خدیج سے کراء الارض کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا ہے میں نے کہا کہ کیا سونے چاندی کے عوض بھی روکا ہے۔ تو انہوں نے کہا نہیں صرف اس پیداوار سے روکا ہے جو زمین سے اگتی ہے، لیکن سونے اور چاندی میں کچھ مضائقہ نہیں

(۹) عن حنظلة بن قیس عن رافع بن خدیج قال نھانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن کراء ارضنا ولم یکن یومئذ ذھب ولا فضة فکان الرجل یکری ارضه بما علی الربیع والاقبال الجداول واشیاء معلومة

(ص ۱۲۵ - ج ۲ - سنن النسائی)

حضرت حنظلہ بن قیس سے حضرت رافع بن خدیج نے روایت کرتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہماری زمینوں کے کرائے سے اور اس وقت سونا اور چاندی نہیں تھے، پس ایک شخص اپنی زمین کرائے پر دیتا تھا اس پیداوار کے بدلے جو پانی کی نالیوں کے کنارے پر اگتی تھی اور کچھ دوسری متعین اشیاء کے بدلے

(۱۰) عن مجاھد عن رافع بن خدیج قال نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

مجاہد سے مروی ہے کہ حضرت رافع بن خدیج نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع

ان تستأجر الارض بالدراهم المنقودة او بالثلث او بالربع
(ص ١١٥ - ج ١٥ - فتح الربانی بمسند احمد)

فرمایا ہے اس سے کہ زمین اجارے پر لی جائے نقد دراہم کے بدلے یا پیداوار کے تہائی یا چوتھائی کے بدلے۔

(١١) عن مجاهد قال حدث رافع بن خديج قال خرج الينا رسول الله صلى الله عليه وسلم فنهانا عن امر كان لنا نافعًا فقال من كان له ارض فليزرعها او يمنحها او يذرها
(ص ١٤٢ - ج ٢ سنن النسائی۔)

مجاہد نے روایت کرتے ہوئے کہا کہ حضرت رافع بن خدیج نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف نکلے اور ہم کو ایک ایسے کام سے روکا جو ہمارے لئے مفید تھا اور فرمایا جس کی زمین ہو وہ اسے خود بوئے یا کسی کو بلا معاوضہ دے دے یا پھر اسے چھوڑ دے۔

(١٢) عن سعيد بن المسيب عن رافع بن خديج قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن المزابنة والمحاقلة و قال انما يزرع ثلاثة رجل له ارض فهو يزرعها ورجل منح ارضا اخاه يزرع ما منح منها ورجل اكترى بذهب او فضة۔
(ص ١٤٢ - ج ٢ - نسائی)
(ص ٢٥٦ - ج ٢ - معانی الآثار للطحاوی)

سعید بن المسیب سے حضرت رافع بن خدیج نے روایت کرتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزابنہ اور محاقلہ سے منع فرمایا، اور کہا رافع نے یا سعید نے کہا کاشت صرف تین آدمیوں کو کرنی چاہیئے ایک اس کو جس کی اپنی زمین ہو دوم اس کو جسے زمین مفت کاشت کے لئے دی گئی ہو اور تیسرے اس کو جس نے زمین سونے چاندی یعنی نقدی کے عوض کرائے پر لی ہو۔

(١٣) عن ابی سلمة عن رافع بن خديج ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن المحاقلة والمزابنة
(ص ١٤٣ - ج ٢ النسائی)

حضرت ابوسلمہ نے حضرت رافع بن خدیج سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محاقلہ اور مزابنہ سے منع فرمایا۔

(١٤) سألت القاسم بن محمد عن كراء الارض

میں نے قاسم بن محمد سے کراء الارض کے

فقال قال رافع بن خدیج ان رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نہی عن کراء الارض

(ص ١٤٣ ـ ج ٢ ـ سنن النسائی)

کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ حضرت رافع بن خدیج نے کہا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کراء الارض سے منع فرمایا۔

(١٥) عن عیسٰی بن سہل بن رافع بن خدیج قال انی یتیم فی حجر جدی رافع بن خدیج وبلغت رجلاً وحججت معہ فجاء اخی عمران بن سہل بن رافع فقال یا ابتاہ! انہ قد اکترینا ارضنا فلانۃ بما ئتی درھم، فقال یا بنی دع ذاک فان اللہ عزوجل سیجعل لکم رزقاً غیرہ ان رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم قد نہی عن کراء الارض

(ص ١٤٧ ـ ج ٢ ـ سنن النسائی)

حضرت رافع بن خدیج کے پوتے عیسٰی بن سہل نے کہا کہ میں یتیم بچہ تھا اپنے دادا رافع بن خدیج کی گود میں پلا بڑھا اور جوان ہوا اور ان کے ساتھ حج کیا، ایک موقع پر میرا بھائی عمران بن سہل آیا اور دادا کو بتلایا کہ ہم نے اپنی فلاں زمین دو سو درہم کے عوض کرائے پر دی ہے۔ دادا نے فرمایا بیٹے اس کو چھوڑ دو اللہ تمہیں دوسرے طریقہ سے رزق دے گا کیونکہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کراء الارض سے روکا اور منع فرمایا ہے۔

(١٦) عن ابن ابی نعم قال حدثنی رافع بن خدیج انہ زرع ارضاً فمرّ بہ النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم وھو یسقیھا فسألہ لمن الزرع ولمن الارض فقال زرعی ببذری وعملی لی الشطر ولبنی فلان الشطر فقال اربیت، فرد الارض علی اھلھا وخذ نفقتک

(ص ١٢٧ ـ ج ٢ سنن ابی داؤد)

(ص ٢٥٦ ـ ج ٢ طحاوی)

ابن ابی نعم کی روایت ہے کہ مجھ سے حضرت رافع بن خدیج نے بیان کیا کہ اس نے ایک زمین کاشت کی تھی۔ ایک دن وہاں سے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کا گزر ہوا جبکہ وہ اس کو پانی دے رہا تھا، حضورؐ نے پوچھا کھیتی کس کی ہے اور زمین کس کی؟ میں نے عرض کیا کھیتی میری ہے جو میرے بیج اور عمل کا نتیجہ ہے۔ نصف پیداوار میرے لئے ہوگی اور نصف بنی فلاں کے لئے۔ اس پر آپؐ نے فرمایا تم ربوٰ میں

پڑے، زمین اس کے مالکوں کو دے دو اور ان سے اپنا خرچہ لے لو۔

(۱۷) عن نافع ان ابن عمرؓ کان یأجر الارض قال فنبئ حدیثا عن رافعؓ بن خدیج قال فانطلق بی معہ الیہ قال فذکر عن بعض عمومتہ ذکر فیہ عن النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم انہ نھی عن کراء الارض قال فترکہ ابن عمرؓ فلم یأجرہ
(ص ۱۳ - ج ۲ - صحیح المسلم)

حضرت نافع سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کرائے پر زمین دیا کرتے تھے پھر ان کو رافع بن خدیج کی حدیث کی خبر ملی، مجھے ساتھ لے کر ان کے پاس گئے۔ انہوں نے اپنے بعض چچاؤں کے حوالے سے حدیث بیان کی اور اس میں نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف سے کراء الارض کی نہی کا ذکر کیا۔ چنانچہ حدیث سننے کے بعد ابن عمرؓ نے کراء الارض کو ترک کر دیا اور پھر کبھی زمین اجارے پر نہ دی۔

مزارعت اور کراء الارض سے متعلق حدیث کی مختلف کتابوں میں حضرت رافع بن خدیج کی نسبت سے جو مختلف روایات بیان ہوئی ہیں ان میں سے میں نے سترہ روایات منتخب کی ہیں جن میں تقریباً وہ سب باتیں آگئی ہیں جو حضرت رافع بن خدیج کے حوالہ سے کہی گئی ہیں، ان روایات کے متون میں جو اختلاف ہے اس پر تبصرہ کرنے سے پہلے ایک اصولی بات عرض کر دینا مفید و مناسب سمجھتا ہوں جس سے اس قسم کے اختلاف کو سمجھنے اور سلجھانے میں مدد مل سکتی ہے۔

اور وہ اصولی بات یہ کہ محدثین کے نزدیک یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے احادیث رسولؐ کے روائت اور بیان کرنے میں الفاظ کی پابندی سے زیادہ ان کے مفہوم و مطلب کی پابندی کا لحاظ رکھا جب کہ اس کے بالمقابل آیات قرآنی کے بیان میں انہوں نے الفاظ کی پابندی کا انتہائی طور پر اہتمام کیا یہاں تک کہ زیر و زبر تک کا فرق نہ آنے دیا۔ ایسی مثالیں بکثرت ہیں کہ صحابۂ کرام کی ایک جماعت نے ایک ہی مجلس میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے ایک حدیث سنی لیکن جب دوسروں کے سامنے وہ حدیث روائت کی تو عموماً ان کے الفاظ میں کچھ نہ کچھ اختلاف ضرور رونما ہوا کیونکہ وہ یہ جانتے تھے کہ منشائے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم ان الفاظ کا من و عن یاد رکھنا نہیں بلکہ اس مفہوم و مطلب اور شرعی حکم کا یاد رکھنا ہے جو ان

الفاظ کے ذریعے بیان فرمایا گیا، اسی طرح پھر یہ بھی ہوا کہ کسی نے وہ حدیث از اوّل تا آخر پوری کی پوری بیان کر دی جس میں متعدد امور کا ذکر تھا اور کسی نے محل و موقعہ کی مناسبت سے اس کا ایک ٹکڑا بیان کیا اور دوسرا چھوڑ دیا، نیز یہ بھی ہوا کہ کسی نے حدیث کے اصل الفاظ یا اس کے مفہوم و مطلب کے ساتھ وہ صورت حال بھی بیان کر دی جس سے اس حدیث کا تعلق تھا یا جو اس حدیث کا ظاہری سبب و محرک تھی اور کسی نے صرف حدیث بیان کر دی اور اس واقعہ کا ذکر نہ کیا جس سے اس حدیث کا ظاہری تعلق تھا، اسی طرح یہ بھی ہوا کہ بعض نے حدیث کے اصل الفاظ کی بجائے اس سے جو مفہوم و مطلب اور شرعی حکم سمجھا صرف اس کو بیان کر دیا اور بعض نے اپنے سمجھے ہوئے مفہوم و مطلب کے ساتھ حدیث کے الفاظ بھی پورے یا ادھورے بیان کر دیئے۔

پھر آگے صحابہ کرامؓ سے تابعین نے جو احادیث سنیں انہوں نے بھی ان کے بیان در روایت میں صحابہ کرامؓ کے الفاظ کی من وعن پابندی نہیں کی۔ مثلاً ایک ہی حدیث ایک صحابی سے دس تابعین نے سنی۔ لیکن جب دوسروں سے بیان کی تو ان کے الفاظ ایک دوسرے سے ضرور کچھ نہ کچھ مختلف رہے گویا ان کی توجہ بھی زیادہ تر مفہوم و مطلب کی طرف رہی الفاظ کے تغیر و تبدل کو انہوں نے کوئی خاص اہمیت نہ دی، اسی طرح انہوں نے بھی اپنی سنی ہوئی حدیث بعض دفعہ پوری کی پوری اور بعض مواقع پر اس کا کچھ حصہ بیان کرنے پر اکتفاء کیا اور بعض دفعہ اس حدیث سے سمجھا ہوا صرف مطلب بیان کر دیا۔ علیٰ ہٰذا القیاس تابعین کے بعد تبع تابعین وغیرہ کا بھی یہی وطیرہ اور یہی رویہ رہا، اس کا نتیجہ یہ کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ایک ہی حدیث مؤلفین صحاح ستّہ وغیرہا تک پہنچتے پہنچتے مختلف اسناد و طرق اور مختلف الفاظ متون کی وجہ سے کثیر التعداد احادیث کی صورت اختیار کر گئی۔

اس اصولی بات اور حقیقت واقعہ کو سامنے رکھتے ہوئے اس اختلاف پر نظر ڈالی جائے جو حضرت رافع بن خدیج سے منسوب مذکورہ روایات میں پایا جاتا ہے تو کوئی خاص الجھن باقی نہیں رہتی اور حقیقتِ حال واضح ہو جاتی ہے۔

حضرت رافع بن خدیج کی مذکورہ احادیث و روایات پر غور و فکر کے بعد کچھ

ایسا سمجھ میں آتا ہے کہ حضرت رافع کو سب سے پہلے نہی محاقلہ و مزارعہ کا علم اپنے چچا حضرت ظُہیر کی بیان کردہ حدیث سے ہوا جو انہوں نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے سنی اور پھر اپنے خاندان بنی حارثہ میں جا کر بیان کی، حضرت رافع بن خدیج کی اکثر روایات میں اس کا اجمال و تفصیل کے ساتھ ذکر ہے۔ وہ حدیث بعض کتابوں میں بایں الفاظ ہے:

ان رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اتی بنی حارثۃ فرائی زرعا فی ارض ظُہَیر فقال ما احسن زرع ظُہَیر، قالوا لیس لظُہَیر، قال الیس ارض ظُہَیر قالوا بلی و لکنہ زرع فلان، قال فخذوا زرعکم و رُدّو علیہ النفقۃ	حضرت رافع نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم محلہ بنی حارثہ کی طرف تشریف لائے اور ظہیر کی زمین میں لہلہاتی کھیتی دیکھ کر فرمایا کیا ہی عمدہ کھیتی ہے ظُہَیر کی، لوگوں نے عرض کیا یہ ظُہیر کی کھیتی نہیں، آپؐ نے فرمایا کیا یہ زمین ظہیر کی نہیں۔ لوگوں نے بتلایا کہ زمین تو ظہیر کی ہے لیکن اسے کاشت فلاں شخص نے کیا ہے آپؐ نے فرمایا اپنی کھیتی لے لو اور مزارع کو اس کا خرچہ دے دو۔
(ص ۱۲۶ - ج ۲ - ابوداؤد)	
(ص ۱۴۷ - ج ۲ - نسائی)	

بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ یہ معلوم ہونے کے بعد کہ حضرت ظُہَیر نے زمین کرائے اور مزارعت پر دے رکھی ہے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے انہیں بلوایا اور پوچھا "ما تصنعون بمحاقلکم؟ تم لوگ اپنے کھیتوں کے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہو؟ تو انہوں نے جواب دیا" نؤاجرھا علی الربع وعلی الاوسق من التمر والشعیر" ہم ان کو چوتھائی پیداوار اور پیمانے کے لحاظ سے چھوہاروں یا گیہوں اور جَو کی متعیّن مقدار کے عوض اجارے و کرائے پر دیتے ہیں۔ یہ سُن کر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا " لا تفعلوا ازرعوھا او ازرعوھا اوامسکوھا" ایسا مت کرو بلکہ ان کو خود کاشت کرو یا دوسرے کو یونہی کاشت کے لئے دے دو یا پھر بغیر کاشت کے اپنے پاس روک رکھو اور ایک دوسری روائت میں کہ حضرت ظُہَیر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس سے جب واپس اپنے خاندان میں آئے تو پہلے یہ کہا کہ آج تم پر ایک مصیبت

آپڑی ہے۔ ان کے پوچھنے پر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کراء الارض کی ہر شکل سے منع کر دیا ہے اور فرمایا ہے "ازرعها او امنحها اخاك" خود کاشت کرو یا اپنے بھائی کو مفت کاشت کے لئے دے دو۔ ایک اور روایت میں ہے کہ انہوں نے اپنے خاندان والوں سے کہا:

نهانا ان نحاقل بالارض فنكريها على الثلث والربع والطعام المسمّى وامر رب الارض ان يزرعها او يزرعها وكره كراءها و ما سوى ذلك

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں زمین کے محاقلے سے روک دیا یعنی اس سے کہ ہم زمین کرائے پر دیں تہائی، چوتھائی پیداوار اور غلے کی متعین مقدار کے بدلے اور حکم فرمایا کہ زمین کا مالک اسے خود کاشت کرے یا کسی کو یونہی کاشت کے لئے دے دے اور اس کے کرائے اور دیگر ہر معاوضے کو ناجائز و ممنوع ٹھہرایا۔

اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت رافع بن خدیج کی بعض احادیث میں کراء الارض کی جن دوسری شکلوں کا ذکر اور ان کی ممانعت کا بیان ہے وہ شکلیں بھی حضرت ظُہَیر ہی نے بیان فرمائی ہوں اور حضرت رافع بن خدیج کو ان کی ممانعت کا علم بھی حضرت ظُہَیر ہی کے ذریعے ہوا ہو کیونکہ قرین قیاس یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت ظُہَیر سے یہ دریافت فرمایا کہ تم لوگ اپنے کھیتوں کے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہو تو اس کے جواب میں حضرت ظُہَیر نے کراء الارض کی وہ تمام شکلیں عرض کی ہوں گی جو مدینہ میں رائج چلی آرہی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کی نہی فرمائی ہو گی، اور پھر حضرت ظُہَیر نے پوری تفصیل کے ساتھ کراء الارض کی ان تمام شکلوں اور ان کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہی کا ذکر فرمایا ہو گا اور حضرت رافع بن خدیج نے اپنے چچا حضرت ظُہَیر کی بیان کردہ حدیث پر ایسا یقین کیا ہو کہ گویا انہوں نے خود اپنے کانوں سے وہ سُنی ہے۔ لہٰذا وہ وقتاً فوقتاً اس کے مختلف اجزاء اس طرح بیان کرتے رہے ہوں کہ گویا انہوں نے مختلف اوقات میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست وہ متعدد احادیث سنی ہیں۔ البتہ ان میں بعض احادیث ایسی ہیں جن کا حضرت رافع بن خدیج سے براہ راست تعلق ہے اور جو

انہوں نے بلا واسطہ طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہیں، اس اجمال کی تفصیل اس تبصرہ میں آجائے گی جو میں مذکورہ بالا سترہ احادیث پر نمبروار کرنا چاہتا ہوں۔

پہلی حدیث جو حضرت رافعؓ بن خدیج کے صاحبزادے حضرت اُسید بن رافع سے مروی ہے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہی ارشادِ گرامی ہے جو مالکان اراضی کے لئے قانونی ضابطے کی حیثیت رکھتا اور جسے دوسرے کئی صحابہ کرامؓ نے بھی نقل فرمایا ہے اور جس سے بلا استثناء کراء الارض اور مزارعت کی ہر شکل کا ناجائز ہونا ثابت ہوتا ہے۔

دوسری اور تیسری حدیث جن کے راوی حضرت رافعؓ بن خدیج کے مولیٰ (آزاد شدہ غلام) ہیں جن کا ان سے قریبی تعلق رہا ہے، ان دونوں حدیثوں میں نہایت واضح طور پر اسی قانونی ضابطے کا بیان ہے جو ہر مالک زمین سے تعلق رکھتا اور جو کراء الارض و مزارعت کی ہر شکل کے عدم جواز پر قطعی الدلالۃ ہے۔

چوتھی اور پانچویں حدیثیں جن کے روایت کرنے والے حضرت سلیمان بن یسار ہیں، ان دونوں حدیثوں سے مزارعت اور کراء الارض کی ہر شکل کا ممنوع و ناجائز ہونا ظاہر ہوتا ہے اور کسی شکل کے استثناء کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی۔

چھٹی، ساتویں، آٹھویں اور نویں احادیث کے راوی حضرت رافعؓ بن خدیج سے حضرت حنظلہ بن قیس ہیں اور ان کی دو روایات بلحاظ الفاظِ متن دوسرے راویوں سے مختلف ہیں۔ یعنی چھٹی اور ساتویں حدیث میں کراء الارض کی دو خاص جزوی شکلوں کا ذکر اور ان کی ممانعت کا بیان ہے لیکن ان میں وہ الفاظ مذکور نہیں جن کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمائی بلکہ حضرت رافعؓ بن خدیج نے اپنے الفاظ سے وہ شرعی حکم بیان فرمایا ہے جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی سے سمجھا، اگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصل الفاظ بھی ذکر کر دیتے تو یہ سمجھنا آسان ہو جاتا کہ نہی، اس خاص شکل کے ساتھ مخصوص ہے یا کراء الارض کی سب شکلوں کے ساتھ عام ہے۔ اگرچہ انہی حضرت رافعؓ بن خدیج کی بعض دوسری احادیث میں نہی کے ذکر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ الفاظ بھی مذکور ہیں

جو نہی پر دلالت کرتے ہیں جیسے پہلی، دوسری، تیسری، پانچویں اور گیارہویں حدیث کہ ان میں نہی کے ذکر کے بعد یہ الفاظ ہیں:-

۱۔ "قال من کانت لہ ارض فلیزرعہا فان عجز عنہا فلیزرعہا اخاہ"

۲۔ "قال لا تفعلوا ازرعوہا او ازرعوہا او امسکوہا"

۳۔ "قال اذا کانت لاحدکم ارض فلیزرعہا او لیزرعہا اخاہ فان لم یفعل فلیدعہا ولا یکریہا بشئی"

۵۔ "امر رب الارض ان یزرعہا او یزرعہا وکرہ کراءہا وسوی ذلک"

۱۱۔ "فقال من کان لہ ارض فلیزرعہا او یمنحہا او یذرہا"

بلکہ زیادہ صحیح اور قرین قیاس یہ ہے کہ زیر بحث حنظلہ بن قیاس کی بعض روایات میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ضرور موجود ہوں گے لیکن حنظلہ بن قیس یا ان سے نیچے کے کسی راوی نے بغرض اختصار یا کسی دوسری مصلحت سے ان کو ذکر نہیں کیا، بہر حال کراء الارض کی کسی خاص شکل کی نہی سے یہ کسی طرح لازم نہیں آتا کہ اس کے سوا کراء الارض کی باقی سب شکلیں مشروع اور جائز ہیں۔ پھر جبکہ دوسری احادیث میں کراء الارض کی تمام شکلوں کی صریح ممانعت بھی مذکور ہے، اور پھر حنظلہ بن قیس کی بعض روایتوں میں اس قسم کے جو الفاظ ہیں کہ "اس وقت کراء الارض کی صرف یہی شکل رائج تھی جس میں مالک زمین ایک حصۂ زمین کی پیداوار اپنے لئے اور دوسرے حصے کی پیداوار مزارع کے لئے مخصوص کر لیتا تھا۔ گویا پیداوار کے نسبتی حصہ مثلاً نصف، تہائی اور چوتھائی پر زمین دینے لینے کا رواج نہ تھا" دوسری بکثرت احادیث سے جو صحابۂ کرام کی ایک جماعت سے مروی بلکہ خود حضرت رافعؓ بن خدیج کی بعض احادیث سے بھی جن کے راوی حضرت حنظلہ کے علاوہ بہت سے راوی ہیں اس کی صاف طور پر تغلیط و تردید ہوتی ہے کیونکہ ان کے اندر نہایت واضح طور پر یہ بیان ہے کہ پیداوار کے نصف، تہائی اور چوتھائی حصہ پر کراء الارض و مزارعت کا رواج تھا ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صراحت کے ساتھ اس سے منع نہ فرماتے کیونکہ جو چیز موجود ہی نہ ہو اس سے منع کرنے کا کیا فائدہ۔

حنظلہ بن قیس کی مذکورہ احادیث میں سے حدیث نمبر آٹھ سے صاف ظاہر ہے کہ کراء الارض کی ایسی کوئی شکل جائز نہیں جس کا تعلق پیداوار کے نسبتی یا غیر نسبتی حصہ سے ہو کیونکہ اس میں بقول حنظلہ بن قیس صرف ایک شکل ممانعت سے مستثنیٰ قرار پاتی ہے جو سونے چاندی اور درہم و دینار کے بدلے میں ہو، اور حدیث نمبر نو میں پہلے مطلق کراء الارض کی ممانعت کا بیان ہے اور آخر میں کراء الارض کی مروجہ شکلوں میں سے ایک شکل کا ذکر ہے اور درمیان میں یہ جو جملہ ہے کہ "ولم یکن یومئذٍ ذھب ولا فضۃ" اور اس وقت سونا اور چاندی نہ تھے، یہ جملہ دراصل ایک سوال کا جواب ہے جو حضرت رافع بن خدیج سے پوچھا گیا، سوال جیسا کہ دوسری روایات میں ہے یہ کہ " کیف ھی بالدینار والدرھم " دینار و درہم اور سونے چاندی کے عوض کراء الارض کا کیا حکم ہے، جائز ہے یا ناجائز؟ اس حدیث کے مطابق جواب یہ دیا گیا کہ اس وقت نہ سونا موجود تھا اور نہ چاندی تھی۔ چونکہ یہ بات بظاہر غلط ہے کیونکہ اس وقت دینار اور درہم اور سونا چاندی موجود تھے لہٰذا شارحین نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اس وقت سونے چاندی کے عوض کراء الارض کا وجود نہ تھا۔ لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں کچھ نہیں فرمایا۔ اس سے پہلے دو حدیثوں میں جو جواب نقل کیا گیا ہے وہ یہ کہ اس میں کچھ حرج و مضائقہ نہیں۔ اس جواب کے متعلق محدثین نے لکھا ہے کہ اگر یہ جواب نقل کے لحاظ سے درست ہے تو یہ محض حضرت رافع بن خدیج کی رائے ہے جس کے خلاف خود ان کی دوسری رائے بھی ان کی نسبت سے بیان کی ہوئی بعض دوسری روایات میں ملتی ہے۔ مثلاً اس کے بعد حدیث نمبر دس اور پندرہ میں دوسری رائے مذکور ہے، حدیث نمبر دس جو حضرت مجاہد سے مروی ہے اس میں صاف مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نقد دراہم کے عوض اور تہائی و چوتھائی پیداوار کے بدلے زمین کے اجارے و کرائے سے منع فرمایا، حضرت مجاہد سے مروی حدیث نمبر گیارہ میں بھی اس جامع مانع قانونی ضابطے کا بیان ہے جو مالک زمین کو پابند کر دیتا ہے کہ وہ اپنی زمین کو خود آباد کرے اور خود نہیں کر سکتا تو دوسرے کو بطور احسان مفت

کاشت کے لئے دے دے یا پھر یونہی چھوڑ دے، لہٰذا اس سے کراء الارض اور مزارعت کی ہر شکل کا ممنوع ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔

حدیث نمبر ۱۲ میں حضرت سعید بن مسیّب نے حضرت رافع بن خدیج کی دو باتیں نقل کی ہیں ایک بات جو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حوالے سے کہی گئی ہے یہ کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے محاقلہ کو ممنوع ٹھہرایا اور اس سے روکا ہے اور دوسری بات جو حضرت رافع بن خدیج نے اِنَّمَا کلمۂ حصر کے ساتھ کہی ہے یہ کہ زمین کی کاشت صرف تین ہی شخص کر سکتے ہیں: ایک وہ جو مالک ہو، دوسرا وہ جسے کسی نے زمین بطورِ منحہ مفت کاشت کے لئے دی ہو اور تیسرا وہ جس نے سونے چاندی کے عوض زمین کرائے پر لی ہو۔ ظاہر ہے کہ اس حدیث سے بھی کراء الارض کی ہر اس شکل کی ممانعت ثابت ہوتی ہے جس کا تعلق پیداوارِ زمین کے کسی نسبتی حصے یا متعین مقدار سے ہو۔ لیکن جہاں تک سونے چاندی کے عوض کراء الارض کا تعلق ہے جیسا کہ کچھ پہلے عرض کیا گیا اس کے جواز سے متعلق رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی کوئی صحیح حدیث موجود نہیں بلکہ یہ حضرت رافع بن خدیج کی اجتہادی رائے ہے جس کے خلاف بعض روایات میں ان کی دوسری رائے بھی مذکور ہے، میں نے جو یہ کہا کہ اس کے جواز سے متعلق کوئی صحیح حدیث موجود نہیں تو اس کا مطلب یہ کہ سنن ابی داؤد اور سنن النسائی وغیرہ میں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی اس بارے میں جو حدیث ہے اور جس کے راوی حضرت سعید بن مسیّب ہیں اور جو میں نے پیچھے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی احادیث میں نقل کی ہے محدّثین کے لکھنے کے مطابق چونکہ اس کی ایک سند میں محمد بن عبدالرحمٰن بن لبیبہ اور دوسری سند میں عبدالملک بن حبیب الاندلسی ہیں جو غیر ثقہ اور حد درجہ ضعیف اور ناقابلِ اعتماد ہیں۔ لہٰذا محدّثین کرام کے نزدیک وہ حدیث ضعیف اور ناقابلِ استدلال ہے اس کی کچھ مزید تفصیل آگے کسی موقعہ پر پیش کی جائے گی۔

حدیث نمبر تیرہ کے راوی حضرت رافع بن خدیج سے حضرت ابو سلمہ ہیں۔ اس میں بھی حدیث نمبر بارہ کی طرح محاقلہ کی نہی کا بیان ہے جس کے معنی مزارعت و مخابرت کے ہیں جیسا کہ پیچھے گزر چکا۔

حدیث نمبر چودہ کے راوی حضرت قاسم بن محمد ہیں انہوں نے یہ حدیث حضرت رافع بن خدیج کے حوالے سے بتلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلق کراء الارض سے منع فرمایا۔

حدیث نمبر پندرہ حضرت رافع بن خدیج کے پوتے عیسیٰ بن سہل نے روائت کی ہے جو بچپن میں ہی اپنے والد کی موت کے بعد اپنے دادا حضرت رافع بن خدیج کی پرورش و نگہداشت میں رہے اور انہی کی سرپرستی میں پلے بڑھے اور جوان ہوئے اور ان کی معیت و رفاقت میں حج بھی کیا، انہوں نے بتلایا کہ ایک دن میرا بھائی عمران دادا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا دادا جان ہم نے اپنی فلاں زمین دو سو درہم کے عوض کرائے و اجارے پر دی ہے، انہوں نے سن کر فرمایا بیٹے اس کو چھوڑ دو اللہ تمہارے لئے اس کے سوا کسی اور طریقہ سے رزق کا بندوبست کرے گا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کراء الارض سے روکا اور منع فرمایا ہے۔ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ اگر پہلے حضرت رافع بن خدیج کی یہ رائے تھی بھی کہ نقد کے عوض زمین کو کرائے پر دینا جائز ہے تو آخر میں وہ بدل گئی کیونکہ اس حدیث کا تعلق ان کی بڑھاپے کی عمر سے ہے۔

حدیث نمبر سولہ کے راوی حضرت رافعؓ بن خدیج سے حضرت ابن ابی نعم ہیں اس حدیث سے صاف ظاہر ہوتا ہے زمین کو کاشت کے لئے پیداوار کے ایک حصے مثلاً نصف نصف پر لینا دینا ربو کی طرح کا حرام معاملہ ہے، اس حدیث پر پہلے بھی بعض جگہ بحث ہو چکی ہے۔

حدیث نمبر سترہ کے راوی حضرت نافع ہیں انہوں نے یہ حدیث حضرت رافعؓ بن خدیج سے اس وقت سنی جب وہ حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کے ساتھ حضرت رافعؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کے دریافت فرمانے پر انہوں نے اپنے بعض چچاؤں کے حوالے سے بیان فرمائی اور جسے سن کر حضرت ابن عمرؓ کو وثوق و اعتماد ہو گیا اور انہوں نے اس مخابرے اور اجارے کو ہمیشہ کے لئے ترک کر دیا جو وہ کرتے چلے آرہے تھے۔

واضح رہے کہ میں نے حضرت رافعؓ بن خدیج کی احادیث کو گیارہ تابعینؒ

کی روائت اور متعدد طُرق و اسانید سے اس لئے نقل کیا اور پھر ان پر قدرے تفصیل کے ساتھ اس وجہ سے بحث کی ہے کہ جو حضرات مزارعت کے عدم جواز کے قائل ہیں وہ عموماً حضرت رافعؓ بن خدیج کی احادیث سے استدلال کرتے ہیں جبکہ وہ حضرات جو جواز کے قائل ہیں حضرت رافع کی احادیث کو یہ کہہ کر رد کر دیتے ہیں کہ ان کے اندر شدید اختلاف اور اضطراب پایا جاتا ہے، حالانکہ کھلے ذہن اور غور سے دیکھا جائے تو اصل مطلب کے لحاظ سے ان کے درمیان کوئی اختلاف اور اضطراب نہیں بلکہ سب اس پر متفق و متحد ہیں کہ پیداوار زمین کے ایک حصّے پر کراء الارض اور مزارعت کا معاملہ ممنوع و ناجائز ہے ان کے درمیان جو اختلاف ہے وہ یا تو اجمال و تفصیل کا ہے جو مضر نہیں یا پھر سونے چاندی اور دراہم و دنانیر کے عوض کراء الارض سے متعلق ہے بعض روایات سے اس کا جواز ظاہر ہوتا ہے اور بعض سے عدم جواز، اور یہ اختلاف بلا شبہ ایک مضر اختلاف ہے جسے سلجھانا اور دور کرنا ضروری ہے۔

بہر حال مزارعت کے عدم جواز سے متعلق حضرت رافعؓ بن خدیج کی حدیث کو محدثین نے صحیح اور قابل استدلال تسلیم کیا ہے۔ مثلاً علامہ بیہقی سنن الکبریٰ میں لکھتے ہیں:

وحدیث رافع بن خدیج حدیث ثابت وفیہ دلیل علی نھیہ عن المعاملۃ علیھا ببعض مایخرج منھا الّا انہ اسندہ عن بعض عمومتہ مرۃ وارسلہ اخری واستقصی فی روایتہ مرۃ و اختصرھا اخری، وتابعہ علی روایتہ جابر بن عبد اللہ وغیرہ کما قدمنا ذکرہ	اور حضرت رافع کی حدیث ایک مسلم الثبوت حدیث ہے اور اس میں دلیل ہے اس پر کہ زمین کو پیداوار کے ایک حصہ پر دینے کا معاملہ ممنوع ہے، اس حدیث میں سوائے اس کے کچھ نہیں کہ انہوں نے کبھی یہ اپنے بعض چچاؤں کے واسطے سے بیان کی اور کبھی بلا واسطہ، اسی طرح کبھی انہوں نے پوری کی پوری بیان فرمائی اور کبھی اختصار کے ساتھ اور حضرت جابرؓ اور دوسرے صحابہؓ
(ص۱۳۶ ۔ ج ۶)	

کی احادیث میں اس کی موافقت و تائید موجود ہے؟

اور پھر تعجب یہ ہے کہ جو حضرات، حضرت رافع بن خدیج کی احادیث کو ناقابل اعتماد ٹھہراتے ہیں وہی نقد پر زمین کے اجارہ کے جواز میں ان کی انہی احادیث سے استدلال بھی کرتے ہیں۔

مزارعت اور مرفوع احادیث کے زیر عنوان ہم نے حدیث کی مختلف کتابوں سے جو احادیث نقل کی ہیں وہ مندرج ذیل چودہ صحابہ کرامؓ سے مروی ہیں۔

حضرت جابرؓ بن عبداللہ، حضرت زیدؓ بن ثابت، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابوسعیدؓ الخدری، حضرت انسؓ بن مالک، حضرت ثابتؓ بن ضحاک، حضرت عائشہؓ صدیقہ، حضرت علیؓ بن ابی طالب، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت مسورؓ بن مخرمہ، حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ، حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ، حضرت اُسیدؓ بن ظہیر، حضرت رافعؓ بن خدیج۔

اور پھر ان احادیث کے نقل کرنے میں اس کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ ہر صحابیؓ سے جن مختلف اور متعدد تابعینؒ حضرات نے ان احادیث کو روایت کیا ہے ان سب کی روایات اختلاف الفاظ کے ساتھ سامنے آجائیں چنانچہ اس طرح پچاس سے زیادہ ایسی روایات جمع ہوگئی ہیں جو مرفوع احادیث کی تعریف میں آتی ہیں۔

ان روایات کے پورے مجموعے پر خالی الذہن ہو کر نظر ڈالی جائے تو جو حقیقت نکھر کر سامنے آتی ہے وہ یہ کہ مدینہ منورہ میں مزارعت، مخابرت، محاقلت اور کراء الارض کی مختلف اور متعدد شکلیں رائج چلی آرہی تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب شکلوں سے مسلمانوں کو منع فرمایا اور نہایت واضح اور قطعی الفاظ میں حکم دیا کہ جس کی ملکیت میں زمین ہو وہ اسے خود کاشت کرے، اگر کسی وجہ سے خود کاشت نہیں کرسکتا تو پھر اپنے مسلمان بھائی کو یونہی بلا معاوضہ کاشت کے لئے دے دے اور اگر ایسا بھی نہیں کرتا تو پھر اس زمین کو بلا کاشت رہنے دے۔ مطلب یہ کہ ایک مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ ایک مسلمان سے مزارعت و مخابرت کا معاملہ کرے، البتہ اسلامی حکومت اپنی غیر مسلم ذمی رعایا سے بیت المال کے لئے اس قسم کا معاملہ کرسکتی ہے جو در اصل ایک طرح کا سیاسی

معاملہ اور اجتماعی مفاد کے لئے ہوتا ہے اور یہ کہ ان پچاس سے زائد روایات میں کوئی ایک روائت بھی ایسی نہیں جس کے متن سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ یہ معاملہ مسلمانوں کے مابین بغیر کسی کراہت کے جائز ہے اور اس پر عمل کرنا اور اسے قائم اور جاری رکھنا نیک کام اور موجب اجر و ثواب ہے جبکہ اس کے برخلاف بعض روایات میں ایسے الفاظ مذکور ہیں جو اس کے برے اور موجب سزا و عذاب ہونے پر دلالت کرتے ہیں ان الفاظ سے میری مراد، بعض روایات میں اس کو ربٰو کہنا اور اسے نہ چھوڑنے والے کے لئے وہی وعید اور تہدید ہونا جو قرآن مجید میں ربٰو کو نہ چھوڑنے والوں کے لئے ہے یعنی اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کرنا اور لڑنا، پھر یہ الفاظ اس پر بھی دلالت کرتے ہیں کہ مخابرت و مزارعت کی ممانعت، اخلاقی نوعیت کی نہیں بلکہ قانونی نوعیت کی ہے جس کی پابندی پر حکومت، مسلمان رعایا کو مجبور کر سکتی ہے گویا یہ معاملہ ان معاملات میں سے ہے جو ظلم و حق تلفی پر مبنی اور عدل و قسط کے منافی ہیں۔

اسی طرح مذکورہ روایات کو بغور پڑھا اور دیکھا جائے تو ان کے درمیان کہیں کوئی تعارض نظر نہیں آتا یعنی ایسا نہیں کہ بعض روایات صریح طور پر مزارعت کو جائز بتلاتی ہوں اور بعض اس کو ناجائز ظاہر کرتی ہوں کیونکہ ان میں سے کسی روائت کے اندر ایسے الفاظ مذکور نہیں جو صراحت کے ساتھ مزارعت کے جواز پر دلالت کرتے اور یہ بتلاتے ہوں کہ دو آزاد مسلمانوں کے درمیان یہ معاملہ بلا کسی کراہت کے جائز ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ معاملۂ خیبر سے متعلق جو احادیث ہیں وہ صریح طور پر معاملۂ مزارعت کے جواز پر دلالت کرتی ہیں تو اس کا جواب یہ کہ جیسا کہ پیچھے تفصیل کے ساتھ عرض کیا گیا کہ معاملۂ خیبر، مزارعت کا معاملہ ہی نہیں بلکہ وہ سیاسی نوعیت کا خراج مقاسمت کا معاملہ ہے اور اگر تھوڑی دیر کے لئے یہ تسلیم کر لیا جائے کہ معاملۂ خیبر مزارعت کا معاملہ تھا تو چونکہ ظاہر ہے کہ وہ دو آزاد مسلمانوں کے درمیان نہ تھا بلکہ اسلامی حکومت کے سربراہ اور غیر مسلم ذمیوں کے درمیان تھا لہٰذا جن احادیث میں معاملۂ خیبر کا ذکر ہے وہ ان احادیث سے کسی طرح متعارض نہیں

جن میں دو آزاد مسلمانوں کے درمیان مزارعت کے عدم جواز کا ذکر ہے کیونکہ تعارض کے لئے ضروری ہے کہ ایک حدیث سے جس چیز کا اثبات ہو رہا ہو دوسری حدیث سے بعینہٖ اسی چیز کی نفی ہو رہی ہو' اور یہاں اثبات اور نفی کا تعلق دو مختلف چیزوں سے ہے لہٰذا تعارض نہیں پایا جاتا۔

اسی طرح اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی وہ حدیث بھی مزارعت کے جواز پر دلالت کرتی ہے جس کے واحد راوی حضرت طاؤس ہیں اور جس کا مضمون یہ ہے کہ تم میں سے ایک کا اپنی زمین اپنے بھائی کو کاشت کے لئے مفت دے دینا خیر و بہتر ہے بمقابلہ اس کے کہ وہ اس سے کچھ معاوضہ وصول کرے۔ تو اس کا جواب یہ کہ' دیکھا جائے تو اس حدیث میں بھی یہ تعلیم و ہدائیت ہے کہ ایک مسلمان اپنی زمین دوسرے کو مزارعت وغیرہ پر دینے کی بجائے مفت بلا معاوضہ کاشت کے لئے دے گویا اس میں بھی ترک مزارعت کی تعلیم و ترغیب ہے خواہ اس کی نوعیت کچھ بھی ہو' اور پھر اگر ایک مسئلہ کے متعلق کسی صحابی کی ایک حدیث کا مفہوم و مطلب سمجھنے اور متعیّن کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس مسئلہ کے متعلق اس صحابی کی دوسری احادیث نیز اس کے ذاتی قول و عمل کو بھی دیکھا اور ملحوظ رکھا جائے' تو پھر مزارعت کے متعلق حضرت عبدؓ اللہ بن عباسؓ کی دوسری ایسی احادیث بھی ملتی ہیں جو اس کے ممنوع و ناجائز ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابن عباسؓ ترک مزارعت کو اولیٰ و مستحب نہیں بلکہ واجب و ضروری سمجھتے تھے ۔ اور پھر محدّث ابوبکر الحازمی وغیرہ کا حضرت ابن عباسؓ کو ان صحابہ میں شمار کرنا جو فساد مزارعت کے قائل تھے جیسا کہ میں پہلے حضرت ابن عباسؓ کی احادیث کی شرح میں نقل کر چکا ہوں' یہ بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ مزارعت کے غیر اولیٰ ہونے کے نہیں بلکہ حرام و مکروہ ہونے کے قائل تھے کیونکہ فساد کا مقتضیٰ تحریم یا کراہیت تحریمی کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔

غرضیکہ غور سے دیکھا جائے تو حضرت ابن عباسؓ کی حدیث مذکور کا بھی ان احادیث سے حقیقی تعارض نہیں جو مزارعت کو ناجائز بتلاتی ہیں' اور اگر اس کے باوجود کسی کا یہ خیال ہو کہ تعارض موجود ہے تو اس کا حل آگے رفع تعارض کی بحث میں پیش کیا جائیگا۔

(جاری ہے)

نقد ونظر

محمد اکرم خان ڈائریکٹر
کمرشل آڈٹ لاہور

'حکمتِ قرآن' (ج ۲، ش ۳، مئی ۱۹۸۳ء) کے صفحات ۲۱-۴۶ پر جناب مولانا محمد طاسین صاحب کے گراں قدر علمی مقالہ "مروجہ نظام زمینداری اور اسلام" کی تیسری قسط شائع ہوئی ہے - آپ کے استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ مزارعت کا معاملہ ربوا سے مشابہ ہے - لہٰذا یہ حرام ہے' اس کیلئے آپنے علاوہ متقدمین کے اقوال کے کچھ عقلی دلائل بھی دیئے ہیں - یہ عقلی دلائل ایسے ہیں جن سے معاملہ مکمل طور پر کھل کر سامنے نہیں آیا بلکہ کچھ اشکال بھی پیدا ہو گئے ہیں، لہٰذا ضروری ہے کہ جناب مولانا صاحب اِن اشکالات کی تشریح بھی آئندہ بحث میں یا الگ سے فرما دیں -

اوّل - مولانا فرماتے ہیں: "معاملہ ربوا کی حقیقت و ماہیت ... اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس میں ایک فریق اپنا مال دوسرے کو استعمال کے لئے بطور قرض دیتا ہے اور شرط لگاتا ہے کہ مقررہ میعاد کے بعد اسے اس کا اصل مال مع اضافے کے واپس کرنا پڑے گا لہٰذا اس میں مقرِض یعنی قرض دینے والے کے لئے اس کا اصل مال بھی بغیر کسی نقصان کے پوری طرح محفوظ رہتا ہے ... لہٰذا ہر وہ معاشی معاملہ، معاملہ ربوٰ کے مماثل و مشابہ ٹھہرتا ہے جس میں ایک فریق کا مال دوسرے کے استعمال میں اس قانونی تحفظ کے ساتھ ہوتا ہے کہ وہ مال جب واپس ہو گا تو بغیر کسی کمی و نقصان کے پورے کا پورا واپس ہو گا اور اس کے ساتھ وہ بغیر کسی پیداوار محنت کے دوسرے سے کچھ زائد مال اس وجہ سے لیتا ہے کہ دوسرے نے اس کا مال استعمال کیا ہے" (ص ۳۶)

اس دَور میں ربوٰ کی یہ تعریف کسی حد تک ناقابلِ قبول ہو گئی ہے' پچھلے

۴۰ برسوں میں تمام دنیا میں افراطِ زر کا ایک مسلسل رجحان پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے مال کی قدر و قیمت وقت گذرنے سے کم ہوتی جاتی ہے - چنانچہ مُقرِض کو کبھی بھی اپنا اصل مال واپس نہیں ملتا بلکہ مدّتِ قرض ختم ہونے پر اُس کی اصل قدر و قیمت میں کمی آچکی ہوتی ہے - چنانچہ پچھلے دس برسوں میں تو دنیا میں معاملہ یوں رہا ہے کہ شرحِ سود، شرحِ افراطِ زر سے کم رہی، چنانچہ عملاً مقرِض اپنے سرمایے کا معاوضہ وصول کرنے کے بجائے اپنے سرمایے پر مقروض کو معاوضہ دیتے رہے - معاملہ کی یہ سیدھی سادی تشریح کہ ظاہری گنتی میں تو مُقرِض کو اپنا مال پورے کا پورا ملتا ہے، معاملہ کی حقیقت کو نہیں بدل دیتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ہم اپنی تسلّی کے لئے کسی منطقی موشگافی کا سہارا لے بھی لیں لیکن دنیا اس منطق سے کبھی مطمئن نہیں ہوسکتی -

جناب مولانا نے اسی دلیل کو مزارعت کے معاملہ پر منطبق کیا ہے، فرماتے ہیں "اسی طرح معاملۂ زراعت میں مالک کے لئے زمین محفوظ رہتی اور معاملہ ختم ہونے پر پوری کی پوری اسے واپس ملتی ہے -" (ص ۳۹)

یہ بھی معاملہ کی ظاہری حالت ہے ورنہ کس کو یہ حقیقت نہیں معلوم کہ فصل اُگنے کے بعد زمین کی پیداواری صلاحیت کم ہوجاتی ہے، چنانچہ وہ زمین جس پر پے در پے فصلیں اُگائی جائیں اور وہ زمین جس پر کبھی کاشت نہ ہوئی ہو اپنی زرخیزی میں مختلف ہوتی ہے - دنیا بھر میں کھاد کا استعمال جس طرح بڑھ رہا ہے وہ اس بات ہی کی شہادت ہے کہ استعمال سے زمین کی زرخیزی میں فرق آجاتا ہے - ایسے میں یہ کہنا کہ مزارع، مالک کو زمین پوری کی پوری واپس کر دیتا ہے رقبے کے اعتبار سے تو ٹھیک ہوسکتا ہے لیکن حقیقتِ معاملہ ایسی نہیں ہے -

دوم - بیع کی حلّت پر جو دلائل جناب مولانا نے دیئے ہیں وہ بھی قابلِ غور ہیں : فرماتے ہیں : " معاملۂ بیع کو اس لئے حلال و جائز ٹھہرایا ہے کہ یہ عدل کے مطابق ہے کیونکہ اس میں فریقین آپس میں جو دیتے لیتے ہیں، ایک دوسرے کا حق سمجھ کر دیتے لیتے ہیں اور اس میں ان کی حقیقی رضامندی موجود ہوتی ہے -" (ص ۴۷)

بیع کی حلت کے لئے جو وجوہ بیان ہوئے ہیں وہ بہت حد تک ربا پر بھی عائد ہوتے ہیں - ساری دُنیائے مغرب میں کاروباری مقاصد کے لئے سرمایے پر سود دینے والے، سود کو سرمایہ دار کا حق سمجھ کر بطیب خاطر دیتے ہیں۔ حقیقی رضامندی کا تو یہ عالم ہے کہ بینکوں اور مالیاتی اداروں سے قرض لینے والوں کا تانتا بندھا ہوا ہے اور وہ سب کو نمٹا نہیں پا رہے، اگر قرض لینے والے سود دینے کو اپنے پر بار یا نارضامندی کا معاملہ سمجھتے ہوں تو بھلا وہ ان شرائط پر سرمایہ حاصل کرنے کے لئے کیوں یوں جوق در جوق آئیں ؟ اگر باہم رضامندی ہی کسی معاملہ کو بیع بنا دے تو استحصال کے تمام معاملات ربوٰ سے بیع بن جائیں اگر فریقین خوشی سے وہ طے کر لیں - اس طرح کا موضوعی پیمانہ (SUBJECTIVE CRITERION) بہت سے معاملات کو مشتبہ کر سکتا ہے - اور کسی قانون کی بنیاد نہیں بن سکتا -

سوئم : بیع کی مزید تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں : "کچھ واضح الفاظ میں مطلب یہ ہے کہ معاملہ بیع میں تاجر اپنے اصل سرمایے پر خریدا ہوا جو زائد مال لیتا ہے، یعنی مثلاً سو روپے میں خریدی ہوئی ایک سو دس میں بیچ کر جو دس روپے زائد لیتا ہے، اس زائد کے عوض چونکہ اُسکی طرف سے محنت موجود ہوتی ہے، جو سب کے نزدیک پیدائش دولت کا متفقہ اور مسلمہ عامل ہے۔ لہٰذا وہ اس زائد مال کا حق دار ٹھہرتا ہے -" (ص ۳۰)

یہ بھی صحیح صورتِ حال نہیں ہے، دکان دار جو منافع لیتا ہے وہ صرف اُس کی محنت کا صلہ نہیں ہوتا بلکہ اس بات کا معاوضہ بھی ہوتا ہے کہ اُس نے اپنا سرمایہ لگایا ہوتا ہے - ورنہ ایک دکان دار اور اس کے ملازم کے معاوضوں میں کوئی فرق نہیں ہونا چاہیئے اگر دونوں ایک سا کام کریں - اس کی زیادہ واضح مثال اس دور میں مشترکہ سرمایہ کی کمپنیاں ہیں جو لوگوں کے سرمایہ سے چلتی ہیں اس میں کام صرف ملازمین کرتے ہیں - ان ملازمین کا کمپنی کے منافع میں حصہ بہت معمولی ہوتا ہے کیونکہ انہوں نے اپنا سرمایہ نہیں لگایا ہوتا — اصل بات یہ ہے کہ سرمایہ پر منافع کئی عوامل کا صلہ ہے،

اس میں سرمایہ کا معاوضہ بھی شامل ہے ، سرمایہ کار کی خطر انگیزی کا صلہ بھی اور اُس کی محنت و کاوش کا بدلہ بھی ۔ منافع کی یہ سادہ سی تشریح کہ یہ صرف محنت کا معاوضہ ہے بہت سے ایسے معاملات کو حرام قرار دے دے گی جو کہ امت کے درمیان متفق ہیں ۔ دُنیا کے کسی معاشرے میں کبھی یہ بات رائج نہیں رہی کہ وہ شخص جو سرمایہ اور محنت لگاتا ہو اُس کا معاوضہ اتنا ہی ہو جتنا کہ اُس شخص کا جو صرف محنت لگاتا ہو ، اگر یہ فرق معلوم ہے تو یہ فرق سرمایہ ہی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے ۔

جناب مولانا کی مذکورہ بالا تعریف سے ناجائز منافع خوری (Profiteering) کا جواز نکل آتا ہے کیونکہ وہ بھی باہم رضامندی سے ہوسکتی ہے حالانکہ ناجائز منافع خوری کو خود سرمایہ کارانہ نظام میں بھی سود سمجھا جاتا ہے ۔

چہارم ۔ مزارعت کی حرمت پر دلیل یوں لاتے ہیں : " اس طرح معاملۂ مزارعت میں بھی ایک فریق یعنی مزارع حقیقی رضا و خوشی کے ساتھ نہیں بلکہ اسس مجبوری کے تحت شریک ہوتا ہے کہ اس کے پاس حسبِ ضرورت اپنی زمین نہیں ہوتی ۔ " (ص ۴۰)

یہ بھی لازماً صحیح صورت نہیں ہے ۔ اصل میں مزارع کے لئے انتخاب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ اپنی زمین خرید کر کاشت کرے (اگر اُس کے پاس ذرائع ہوں) یا کسی دوسرے کی زمین مزارعت پر کاشت کرے ۔ مثال کے طور پر اگر ایک ایکڑ زمین ایک لاکھ روپے میں خریدی جا سکتی ہو اور کوئی شخص ایک لاکھ روپے سے زمین خرید سکتا ہے تو پھر بھی اُس کے لئے ان دو حالتوں میں سے ایک کے بارے میں فیصلہ کرنا ہے ، اوّل یہ کہ وہ ایک لاکھ روپے کی زمین خریدے اور اُس پر محنت کر کے پیداوار حاصل کرے جس کا وہ کلی طور پر مالک ہوگا دوسرے یہ کہ وہ کوئی سرمایہ نہ لگائے اور صرف محنت کرے (کسی دوسرے کی زمین پر) اور اپنی محنت کے عوض پیداوار میں سے حصہ لے ۔ پہلی صورت میں اور دوسری صورت میں جو اس کے حصہ میں فرق ہوگا وہ اصل میں فرق ہے اس کی زمین کی وجہ سے جس پر اُس نے ایک لاکھ روپے لگائے ہیں ۔ اب

(بقیہ صنٹ)

Regd. L. No. 8193

'HIKMAT-E-QURAN' MONTHLY LAHORE

Vol. 2	SEPTEMBER	No. 7

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

کے قیام کا مقصد

منبعِ ایمان — اور — سرچشمۂ یقین

قرآن حکیم

کے علم و حکمت کی

وسیع پیمانے اور اعلیٰ علمی سطح

پر تشہیر و اشاعت ہے

تاکہ مسلمانوں کے فہیم عنصر میں تجدیدِ ایمان کی ایک عمومی تحریک برپا ہو جائے

اور اس طرح

اسلام کی نشأۃ ثانیہ اور غلبۂ دینِ حق کے دورِ ثانی

کی راہ ہموار ہو سکے

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ